رفگشت بادبان
سلطان سبحانی

یہ کتاب

فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی

حکومتِ اتر پردیش کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔

"...........بعض موضوعات اتنے لچکدار، تہ دار اور اتنے مبہم اور سیماب صفت ہوتے ہیں کہ انھیں گرفت میں لینے کے لئے علامت اور تجرید کے سوا اور کوئی سہارا نہیں رہ جاتا۔ زندگی کا طلسم اتنا گہرا ہے کہ کبھی کبھی لفظوں میں محصور نہیں ہو پاتا لہٰذا اسے خیال کا ایک لباس زیب تن کرانا پڑتا ہے اور کبھی کبھی اپنی تیشہ زنی بھی دکھانی پڑتی ہے۔ لیکن میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ ہر کہانی کے مقدر پر تجربہ ٹانکنا یا اس کے جسم پر علامت اور تجرید کا اُبٹن ملنا اس پر ظلم ہے اور قارئین کے ساتھ مذاق۔ میں اسے افسانہ نگاری نہیں بلکہ اداکاری سمجھتا ہوں.........."

وہ مسکراتا ہے اور کچھ کہنا چاہتا ہے مگر میں اسے روک دیتا ہوں۔

"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی ہے۔ آگے سنیئے:......شاید آپ کو خبر ہو کہ نئی فکر اور نئی طرز روش کے نام پر فضول اور بے مصرف کہانیاں بہت زیادہ لکھی گئی ہیں۔ ان کا ہمارے شب و روز سے یا ہمارے حقیقی مسائل سے کیا تعلق؟ بہت سی کہانیاں اپنی کم نصیبی کے باعث ماضی نگاری کی دھند میں کھو گئی ہیں۔ اور بہت سی ہمارے عہد کی تاب نہ لاکر آگے کی طرف فرار ہو گئی ہیں۔ ان کا ہم سے کیا واسطہ؟ صاف بات ہے۔ جو ہم سے بہت آگے ہوں یا ہم سے بہت پیچھے ہوں وہ ہم میں سے نہیں۔"

(افسانہ: لکڑی کی ٹانگ میں گھنگھرو)

بدن گشت بادبان

سلطان سبحانی

بہ اہتمام
ہم زبان پبلی کیشنز
۱۹۳ - ایم ایچ بی کالونی مالیگاؤں (ناسک)

طبعِ اوّل

سرورق ——— رشید آرٹسٹ
کتابت ——— احمد سعید اطہر
طباعت ——— نورانی پریس مالیگاؤں
سرورق پرنٹنگ ——— زیبا آرٹس مالیگاؤں
ناشر ——— سلطان سبحانی
سالِ اشاعت ——— سنہ ۱۹۹۰ء
تعدادِ اشاعت ——— چھ سو
قیمت ——— ۲۶ روپے

ملنے کے پتے
ہم زبان پبلیکیشنز
۱۹۳- ایم ایچ بی کالونی مالیگاؤں (ناسک)
سویرا بک اسٹال
محمد علی روڈ۔ مالیگاؤں (ناسک)

اپنی دونوں آنکھوں کے نام
کہ جن کے نام ہیں۔

صبا نگار اور شگفتہ نسرین

ترتیب

پیش لفظ ———— سلطان سبحانی	
گل فروش اُٹھو!	۸
بائیں پسلی II	۲۳
طِلِسم	۳۳
مسمار شدہ عمارت میں منی پلانٹ	۴۲
سایہ	۵۲
شمشیر استعارہ	۶۰
لکڑی کی ٹانگ میں گھنگھرو	۶۹
دراڑ	۸۰
برگد پر بسا ہوا گاؤں	۹۰
عہد کا فاصلہ	۹۹
بدن گشت بادبان	۱۰۸

پیش لفظ

مرے اندر
گرجتا اک سمندر ______
سمندر میں چمکتے بادلوں کا عکس، نیلا آسماں لرزاں
سرِ ساحل سنہری ریت پہ موجوں کا شرّاٹا
افق تا بہ افق
ہنستی ہوئی لہروں کا ریشم رقص
ہوا کے پنکھ پر رقّاص قطروں کے بدن جگنو
رُوپہلے جھاگ، مونگے، سیپ کا جادُو بھرا منظر
مگر
اندر بہت اندر
کسی کی جستجو میں چُپ
کوئی طوفان کا لشکر
پسِ لشکر ______
کوئی شئے پھڑپھڑاتی ہے
پرندہ ہے؟ ستارہ ہے؟
یا کوئی بادباں ہے
نہیں معلوم کس جانب رواں ہے۔

سلطان سبحانی

گُل فروش اُٹھو!

گُل فروش اس وقت واپس ہوا جبکہ شام اندھیروں میں رُوپوش ہو چکی تھی اور تمام جھونپڑوں میں قندیل لمپ یا چراغ جل چکے تھے۔ اس نے دُور ہی سے دیکھ لیا کہ اس کی ننھی منّی بچّی جھونپڑے کے سامنے پڑے ہوئے پتھر پر چہرہ ہتھیلیوں اور کہنیاں گھٹنوں پر ٹیکے گم سم بیٹھی ہے۔ اسے دیکھتے ہی وہ خوشی میں کھڑی ہو گئی اور دوڑتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔

"ببّا اتنی دیر سے کیوں آئے؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ کتنی بار آنکھوں میں آنسو آئے۔ میں نے تو سوچ لیا ہے آج تم سے بالکل بات نہیں کروں گی۔"

وہ ہنسنے لگا۔ "بات نہیں کر رہی ہو تو پھر کیا کر رہی ہو؟"

"میں تھوڑی بات کر رہی ہوں۔ یہ تو میرا ٹھینگا بول رہا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے منّی۔ اپنے ٹھینگے سے کہہ دو کہ اب ہم بھی بات نہیں کریں گے۔"

"تو پھر یہ کون بول رہا ہے؟"

"میرا ٹھینگا!"

اور دونوں زور سے ہنس پڑے۔

کھانا کھانے کے بعد کچھ وقت قریب کے ایک ٹوٹے پھوٹے ہوٹل میں گذارا۔ کچھ وقت پڑوسیوں سے گپ شپ کی پھر بستر پر آکر دراز ہو گئے۔

منّی نے کہا۔ "بابا۔ کوئی کہانی سناؤ نا"
اس نے کہا۔ "بیٹی تمہارے لئے روز اتنی کہانیاں کہاں سے لاؤں، میرے پاس تو اب کوئی بھی کہانی نہیں رہی۔"
"تو بابا اُس دن جو کہانی سنائے تھے وہی سنا دو نا۔"
"کس دن؟"
"جس دن تم ٹھنڈے میٹھے بیر لے کر آئے تھے اور کسی بات پر میں نے تم سے خوب لڑائی کی تھی۔ بولو یاد آیا؟"
"ارے ہاں .... اُس دن کی کہانی۔ بیٹی وہ تو میں بھول بھی گیا۔"
"اگر بھول گئے نا تو ....." منّی آنکھیں تان کر بستر پر اٹھ بیٹھی۔ "ابھی یہاں پانی پت اور ہلدی گھاٹ بن جائے گا۔"
"ارے نہیں بیٹی۔ پانی پت اور ہلدی گھاٹ کو اس جھونپڑے سے دور ہی رہنے دو۔"
وہ ہنسنے لگی۔ "تو ٹھیک ہے، سناؤ اب!"
وہ کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔
"اچھا تو سنو! ایک تھی لڑکی۔ اس کا نام تھا زیبا۔ وہ بے چاری اپنی غریب ماں کے ساتھ تنہا رہتی تھی۔ یعنی ماں کے سوا اس کا اور کوئی نہیں تھا۔ روزانہ صبح سویرے جب پاس پڑوس کی لڑکیاں اسکول جاتیں تو زیبا انھیں دیکھ کر اپنی ماں سے ضد کرتی کہ امّی میں بھی اسکول جاؤں گی، لیکن اس کی ماں کہتی کہ بیٹی ہم بہت غریب ہیں۔ دو وقت کا کھانا تو نصیب ہوتا نہیں۔ پھر میں تمہارے لئے کتابیں، بیاضیں، بستہ اور یونیفارم وغیرہ کہاں سے لاؤں۔ غرض زیبا دل مسوس کر رہ جاتی۔ وہ اکثر سوچتی رہتی کہ خدا نے انھیں اتنا غریب کیوں بنایا ہے۔ بیٹی جاگ رہی ہو نا؟"
"ہاں جاگ رہی ہوں مگر تم بیچ میں دوسری بات مت کرو۔ دیکھو سب ستیاناس ہو گیا نا کہانی کا۔ چلو آگے بولو۔"
"تو بیٹی زیبا دل میں بہت دُکھی تھی۔ وہ دنیا کی ہر چیز کو حسرت سے دیکھتی تھی۔

——— ایک رات جب وہ سوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ سبز پری اس کے قریب کھڑی ہے اور اس سے کہہ رہی ہے زیبا اٹھو! تمہارے گھر کے پچھواڑے خزانہ دفن ہے اسے نکال لو
——— زیبا صبح اٹھی تو اس نے اپنی امّی سے کہا۔ امّی رات کو خواب میں سبز پری مجھ سے کہہ رہی تھی کہ زیبا اٹھو۔ تمہارے گھر کے پیچھے خزانہ دفن ہے اسے نکال لو۔ تو یہ سن کر اس کی امّی نے کہا جھوٹ بات ہے۔ دوسری رات سبز پری پھر اس کے خواب میں آئی اور اس نے وہی کہا۔ زیبا نے صبح اٹھ کر پھر اپنی امّی سے کہا کہ امّی کل رات بھی سبز پری خواب میں آئی تھی اور وہ وہی بات کہہ رہی تھی کہ تمہارے گھر کے پیچھے خزانہ دفن ہے اسے نکال لو۔ تو اس کی امّی نے کہا۔ جھوٹ بات ہے ———
پھر تیسری رات سبز پری پھر زیبا کے خواب میں آئی اور کہنے لگی۔ زیبا میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تمہارے گھر کے پچھواڑے خزانہ دفن ہے اسے نکال لو۔ تو تم نے کیوں نہیں نکالا۔ زیبا نے کہا۔ میں نے اپنی امّی سے کہا تھا مگر وہ کہنے لگیں کہ جھوٹ بات ہے۔ تو یہ سن کر سبز پری نے ایک انگوٹھی دے کر زیبا سے کہا۔ اچھا یہ انگوٹھی اپنی امّی کو بتلا دینا پھر وہ سمجھ جائیں گی کہ یہ جھوٹ بات نہیں ہے۔ زیبا نے صبح اٹھ کر اپنی امّی سے پھر کہا مگر اس کی امّی نے کہا کہ جھوٹ بات ہے۔ تو زیبا بولی۔ نہیں امّی بالکل سچ بات ہے۔ یہ دیکھو سبز پری نے مجھے یہ انگوٹھی بھی دی ہے ......"
منّی بیچ میں بول اٹھی "مگر ابّا ..... انگوٹھی تو سبز پری نے خواب میں دی تھی۔ وہ حقیقت میں کس طرح اس کے پاس آگئی "
"بیٹی! کہانی میں سب کچھ چلتا ہے۔ انگوٹھی کس طرح اس کے پاس آگئی؟ یہ بات تو خود میں بھی نہیں سمجھ سکا۔ خیر آگے سنو! ..... زیبا کی امّی نے جب انگوٹھی دیکھی تو ہکّا بکّا رہ گئی، جلدی سے پچھواڑے گئی۔ پھر دونوں ماں بیٹی نے وہاں کی زمین کھودنا شروع کی اور جب دوپہر میں اچانک ان کی کدال اور سلاخ کے نیچے سونے چاندی اور روپیوں سے بھری ہوئی ایک دیگ چمک اٹھی تو دونوں حیران رہ گئے۔ جلدی جلدی سارا خزانہ گھر میں لے گئے۔ پھر دونوں بازار گئے۔ یونیفارم، کتابیں، بیاضیں اور بستہ وغیرہ سب کچھ لے آئے۔ پھر زیبا ہنسی خوشی روزانہ اسکول جانے لگی "......

"بتاؤ وہ سبز پری ہمارے خواب میں کیوں نہیں آئی؟"
"آئے گی بیٹی، کسی دن ضرور آئے گی۔"
"کیا وہ بہت اچھی لگتی ہے؟"
"ہاں بیٹی ــــ بہت خوبصورت۔ سبز لباس، گورا رنگ اور ریشم کی طرح نازک پر....."
"کیا تم دیکھ چکے ہو اسے؟"
"ہاں ــــ ایک بار فروٹ مارکیٹ میں تربوز خرید رہی تھی۔"
"جھوٹے۔" منی ہنسنے لگی۔ "جھوٹ بولنے میں تو تم واقعی میرے باپ ہو۔"
"اور تم واقعی میری بیٹی ہو۔"

پتہ نہیں رات کا کون سا پہر تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ سبز پری اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ روشن سا چہرہ، سبز لباس اور چمکتے ہوئے ہونٹ۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننھا منا ستارہ تھا۔ وہ کہنے لگی، "گل فروش اٹھو!......"
وہ گھبرا کر اٹھ گیا۔ ادھر ادھر دیکھا تو جھونپڑا خالی تھا۔ دروازہ کھول کر باہر گیا تو دیکھا کہ صبح کا ستارہ نمودار ہو چکا تھا۔ وہ دوبارہ بستر پر پہنچ گیا اور خواب کے بارے میں سوچنے لگا کہ کہانی کی وہ سبز پری اس کے خواب میں کیسے آگئی؟ اور اس نے یہ کیوں کہا کہ گل فروش اٹھو! سوچتے سوچتے اتنا وقت گذر گیا کہ دھوپ کی کرنیں اندر جھونپڑے میں گھس آئیں۔
اور پھر دوپہر تک کئی بار اس نے اس خواب کے بارے میں سوچا، مگر سہ پہر میں فٹ پاتھ پر پھولوں کی دوکان لگانے کے بعد وہ بالکل بھول گیا۔ اس کی ساری توجہ آنے جانے والوں کی بھیڑ اور پھولوں پر رہی۔ روز، جیسمین، میری گولڈ، للی، سویٹ سلطان، زیمبک، نرگس ...... گچھے، گلدستے، ہار۔
اس بھرے پرے روڈ پر پھول بیچتے ہوئے اسے سات سال گذر چکے تھے۔ دھوپ اور بارش سے محفوظ رہنے کیلئے اوپر گل مہر کا سائبان کافی تھا، مگر جب اس پر خزاں آتی تو

اس کی دوکان کے پھول بھی مُرجھا جاتے۔

شام میں ایک سفید کار اس کی دوکان کے قریب آکر نہایت آہستگی سے رک گئی اور سبز ساڑی میں ایک خوبصورت سی عورت کار سے اتر کر اس کے قریب آئی۔ روشن چہرہ، سبز لباس اور چمکتے ہوئے ہونٹ۔ اسے دیکھ کر وہ چونک اٹھا اور اس حد تک چونکا کہ ہاتھ پاؤں میں تھرتھراہٹ شروع ہو گئی۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔ رات کا خواب آناً فاناً اس کی آنکھوں میں گھوم گیا ——— "گُل فروش اٹھو!"

وہ ہکا بکا اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس نے مسکرانے کی کوشش کی ——— "فرمایئے"۔

"Lily's Bunch"

اس نے محسوس کیا کہ آواز بھی وہی ہے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

گھبراہٹ، لجاہٹ، خوشی اور تذبذب کے بھنور میں اس نے لِلی کے دو گچھے ایک ساتھ پیش کر دیئے۔

"صرف ایک چاہیئے"۔ اس نے ایک گچھا واپس کر کے اس کی طرف نوٹ بڑھا دیا۔

نوٹ لیتے وقت اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر وہ بہت ہی ہلکے سے مسکرائی، اور..... کار میں بیٹھ گئی۔ کار آگے بڑھی تو اس نے ایک بار مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کا دل بہت زور سے دھڑک اٹھا۔ کار چلی گئی تو وہ کچھ دیر ادھر ہی دیکھتا رہا۔ پھر سوچنے لگا۔ یہ سب کیا ہے؟ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ یا خواب کہیں مجھے تصور تو نہیں کر رہا ہے۔ کار میں بیٹھ کر اس نے میری طرف مڑ کر کیوں دیکھا۔ کیا وہ وہی تھی جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ مگر یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ شاید میں بے ہوش و حواس نہیں ہوں۔ "اے باہر والا۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی لاؤ" وہ سوچنے لگا۔ پانی آئے گا تو اسے پیوں یا سر پر ڈالوں!

دوسری شام وہی سفید کار دوکان کے سامنے آکر پھر رُکی۔

وہ جیسے سر سے پاؤں تک دھڑک اٹھا۔ ایک بہت تیز مہک قریب آگئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس مہک کے سامنے اس کے تمام پھول شرمندہ ہیں۔ نیلی ساڑی میں اس کا چہرہ ستارے کی طرح دمک رہا تھا۔

"للی بنچ" اس نے مختصراً کہا۔

گلدستہ پیش کرتے ہوئے جانے کیسے اس کے ہونٹوں سے ایک جملہ نکل پڑا۔

"آپ کو للی کے پھول بہت پسند ہیں نا؟"

"مجھے نہیں، میری دوست کو۔ وہ بہت بیمار ہے۔"

"اوہ۔"

پھول تھام کر وہ کار کی طرف واپس ہوئی تو ایک لمحہ کے لئے مڑی۔

"تمہارے پاس پھول اچھے رہتے ہیں۔"

"شکریہ۔"

کار چلی گئی۔ مگر اس کا وہ جملہ رات گئے تک اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔ "تمہارے پاس پھول اچھے رہتے ہیں"

بستر پر دراز ہونے کے بعد اس نے منّی سے کہا۔

"منّی تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔"

"سناؤ ببّا۔"

"سبز پری دو دنوں سے اپنی پھولوں کی دوکان پر آرہی ہے۔"

"سچ؟" منّی خوشی میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "تو ببّا جی مجھے بھی دکھاؤ نا وہ سبز پری۔"

"ہاں بیٹی ـــــ کسی دن تم میرے ساتھ دوکان پر چلنا۔ پھر جب وہ آئے گی تو اسے دیکھ لینا۔"

"ببّا جی، لیکن مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا۔ تم گرمیوں کے دنوں میں بہت جھوٹ بولنے لگتے ہو۔"

"نہیں بیٹی میں سچ کہہ رہا ہوں۔"
"اچھا تو کیا اس نے خزانے کے بارے میں تم سے کچھ کہا؟"
"نہیں ——— وہ شاید تم سے کہے گی۔"
"ہاں اگر وہ سبز پری ہے تو ضرور کہے گی۔ منّی تمہارے گھر کے پیچھے خزانہ دفن ہے اسے نکال لو۔ پھر ہم پچھواڑے کی زمین کھود کر اسے نکال لیں گے۔ پھر تو اپنا خوب مزہ رہے گا۔"

دوسرے دن منّی نے دوکان پر جانے کیلئے بہت ضد کی۔ اس نے انکار کیا تو منّی نے رو رو کر اپنی حالت خراب کر لی۔ مجبوراً اسے بھی ساتھ لے لیا۔
وہ دوکان پر نہایت بے چینی سے آسمان کی طرف دیکھتی رہی۔
اس نے کہا "بیٹی وہ آسمان سے نہیں اترے گی، بلکہ سفید کار پر آئے گی۔ اس طرف سے ..."
"اچھا۔"
"بیٹی! اگر وہ سبز کے علاوہ کسی اور رنگ کے لباس میں آئی تو کیا تم اسے پہچان لوگی؟"
"واہ میں کیسے پہچانوں گی۔ میں نے تو اسے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں۔"
"تو ٹھیک ہے۔ وہ جب بھی آئے گی میں تمہیں بتلا دوں گا۔"
"کیا وہ ضرور آئے گی؟"
"ہاں اسے اپنی دوکان کے پھول بہت پسند ہیں۔"
شام میں سفید کار سامنے آ کر رکی تو وہ فیروزی لباس میں نمودار ہوئی ———
"بیٹی وہ دیکھو سبز پری۔" اس نے منّی سے سرگوشی کی۔
منّی حیرت زدہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ سامنے آ گئی۔
اس نے للی کے پھولوں کا گچھا اس کی طرف بڑھایا۔
پھول تھام کر وہ منّی کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر خفیف سا مسکرائی۔
"یہ بے بی کون ہے؟"

"میری لڑکی ہے۔"

"اچھا۔" وہ منّی کی طرف متوجہ ہوئی۔ "بے بی تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام صبا ہے۔"

"واہ بہت پیارا نام ہے۔ تمہاری امّی کہاں ہیں؟"

"جی وہ ..... جی وہ ....." منّی آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

"وہ اب نہیں رہیں۔" اس نے فقرہ پورا کر دیا۔

"اوہ۔"

منّی کو اچانک کچھ یاد آگیا۔ اس نے بے ساختہ کہا۔ "سنئے آپ سبز پری ہیں نا؟"

"سبز پری؟" وہ ہنس پڑی۔ "کیا میں پری لگتی ہوں؟"

"ہاں ——— آپ ہماری کہانی میں آتی ہیں۔"

"کون سی کہانی میں؟"

"وہی زیبا والی کہانی میں .... آپ کہتی ہیں زیبا اٹھو! تمہارے گھر کے پیچھے خزانہ دفن ہے اسے نکال لو۔"

وہ مسکرائی۔ "اچھا! ——— تم سے کسی دن وہ کہانی ضرور سنوں گی۔"

"پھر تو آپ کو میرے خواب میں بھی آکر کہنا پڑے گا۔ صبا اٹھو! تمہارے گھر کے پیچھے خزانہ دفن ہے ......"

جواب میں وہ بہت آہستہ سے ہنسی۔

اس کے بعد جانے کیوں دو دن تک وہ سفید کار نہیں آئی۔ اس نے دونوں دن انتظار کیا۔ پھر سوچنے لگا۔ میں بھی کتنا ناسمجھ ہوں۔ خواہ مخواہ انتظار کرنے لگا۔ جب اس سے کوئی خاص پہچان ہی نہیں تو کیا حق ہے اس کا انتظار کرنے کا۔ اور پھر کہاں وہ، کہاں میں۔ میں ایک حقیر گلفروش کہ اگر ایک دن پھول نہ بیچوں تو بھوکا رہ جاؤں۔ ممکن ہے اس نے کوئی دوسری بڑی اور باوقار دوکان سے

پھول خریدے ہوں۔ اس شہر میں تو بہت سی دوکانیں ہیں۔

رات میں منّی نے کہا: "بیّا تم کچھ اداس لگ رہے ہو؟"

"نہیں تو۔"

"پھر تمہارا تھوبڑا اتنا چھوٹا کیوں لگ رہا ہے؟"

"مجھ سے چھوٹا تو تمہارا تھوبڑا ہے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی: "بیّا جی سبز پری نے میرے بارے میں تم سے کچھ کہا؟"

"نہیں! تمہارے بارے میں وہ کیا کہے گی۔ ساری پریاں مغرور ہوتی ہیں۔ ہم ٹھہرے غریب لوگ۔"

"مجھے تو وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ لیکن ابھی تک میرے خواب میں کیوں نہیں آئی؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"بیّا۔ جب تم دوکان پر چلے جاتے ہو نا تو میں اکیلی رہ جاتی ہوں۔ پھر مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ وہ نازو ہے نا نازو۔ وہ مجھے بہت چڑاتی ہے۔ گر وہ گڈّنی اور رشّو دونوں بہت اچھی ہیں۔ میرے ساتھ خوب کھیلتی ہیں۔ اور وہ سلمیٰ آپا ہیں نا وہ تو بہت ہی اچھی ہیں۔ مجھے اپنے جھونپڑے میں بلا کر خوب میٹھی میٹھی باتیں کرتی ہیں۔ گر بیّا سب ان کو سلمیٰ آغا کیوں کہتے ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ بے رخی سے بولا۔

"ہونہہ! مجھے نہیں معلوم۔ جاؤ سو جاؤ۔ بڑے آئے مجھے نہیں معلوم۔ ہونہہ۔"

•

چوتھے دن شام میں سفید کار دیکھ کر اس کے بدن میں اچانک پھر ایک انجانی سی ہوا چلی لیکن اس نے خود کو فوراً پرسکون کر لیا۔

وہ کار سے اتر کر قریب آئی اور کچھ سوگوار انداز سے للی کے پھولوں کی طرف دیکھنے لگی۔

اس نے پھولوں کے گچھوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

وہ بولی: "افسوس ہے میری دوست اب اس دنیا میں نہیں رہی۔"

"اوہ ــــــ پھر یہ پھول؟" اس نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ پھول اب میں اس کی تصویر کے قریب اپنے کمرے میں سجا رکھوں گی۔"
پھول لے کر وہ مڑی، پھر رک گئی۔
"تمہاری بے بی آج نہیں آئی؟"
"جی نہیں۔"
"کیا یہ ممکن ہے کہ پھول روزانہ تم میرے یہاں پہنچا دیا کرو۔ میرا بنگلہ یہاں سے قریب ہی ہے۔"
"ممکن تو ہے لیکن میں شام میں نہیں آسکتا کیونکہ اس وقت میری موجودگی یہاں ضروری ہوتی ہے۔ ہاں اگر آپ کہیں تو منڈی سے واپسی کے بعد صبح دس بجے پہنچا دیا کروں۔"
"ٹھیک ہے۔ صبح پہنچا دیا کرو۔"
وہ ایڈریس دے کر چلی گئی ۔۔۔۔۔

وہ دوکان پر آراستہ پھولوں کی طرف دیکھنے لگا۔ یک بیک پھولوں سے ایک نیلا سایہ سا اٹھا اور اس سائے میں اس نے دیکھا کہ وہ اپنے جھونپڑے میں بے خبر سویا ہوا ہے۔ منی قریب ہی نیند میں مسکرا رہی ہے۔ اچانک سرہانے ایک سبز لباس لہراتا ہے اور آواز آتی ہے۔ "گلفروش اٹھو!" وہ نظریں اٹھاتا ہے تو دیکھتا ہے۔ سبز پری قریب کھڑی مسکرا رہی ہے۔۔۔۔۔
پھر ہوا بہت زور سے چلتی ہے اور پھولوں کے کچھ گچھے دوکان سے نیچے گر جاتے ہیں۔
دوسرے دن صبح دس بجے وہ للی کے پھولوں کا گچھا لیے اس ایڈریس پر پہنچا۔ بنگلہ کے گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیدار سے اس نے کہا۔
"مس سے کہہ دو گلفروش آیا ہے۔"
"اندر چلے جاؤ۔"
وہ اندر گیا۔ چھوٹا سا احاطہ۔ ایک سمت لان پر چند کرسیاں، بوگین ویلیس، گلابی کاغذی پھولوں کے گچھے ہی گچھے۔ راہداری پر ایک ملازمہ کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں پھول دیکھ کر وہ اسے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے اندر چلی گئی۔ پھر چند لمحوں میں واپس آکر اسے اپنے ساتھ ایک صوفے تک لے گئی۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر ادھر ادھر نظریں گھما کر دیکھنے لگا۔ اچانک،

جانی پہچانی آواز آئی۔
"پھول لے آئے؟"
"جی ہاں"
اس نے دیکھا وہ سبز گاؤن میں تھی۔
ملازمہ چائے کی ٹرے لے کر آئی۔ وہ گاؤن سمیٹ کر قریب کی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔
"چائے لو"
"شکریہ" اس نے نظریں اٹھائیں۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔
"تم نے وہاں پھولوں کی دوکان کب سے شروع کی؟"
"بہت سال ہوئے"
"کچھ ترقی ہوئی؟"
"ترقی؟" وہ چونک اٹھا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ لفظ ایک وزن دار پتھر کی طرح اس پر آپڑا ہے۔ کچھ سوچ کر اس نے کہا۔ "بس، گذارہ ہو جاتا ہے"
"تمہارا نام کیا ہے؟"
اس سوال پر اس کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ "سلطان" اس نے جواب دیا۔
"سلطان؟" وہ مسکرائی۔ "اگر تمہارا نام سلطان ہے تو یقیناً تمہارے پاس تخت و تاج بھی ہوگا"
"جی نہیں" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "میں ایک معمولی گلفروش ہوں لہٰذا میرے پاس صرف پھول اور کلیاں ہیں"
"تمہاری بے بی بے حد پیاری باتیں کرتی ہے۔ لیکن وہ سبز پری والی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ کیا معاملہ ہے۔ اس نے سبز پری مجھے کیسے سمجھ لیا؟"
اس نے جواب میں اس کے سبز گاؤن کی طرف دیکھا "کیا آپ کو سبز رنگ پسند ہے؟"
"ہاں، بہت"
"میری بیٹی کو بھی یہی رنگ بہت پسند ہے"

کئی دن گذرنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ اس پر کچھ مہربان ہے۔ لیکن مہربانی کی وجہ؟ اس نے بہت غور کیا مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکی۔ ہاں یہ ضرور سمجھ گیا کہ اس کی اپنی زندگی ..... اور مصروفیات میں کچھ موڑ آگئے ہیں۔ ایسے پُراسرار موڑ کہ ان پر غور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کبھی کبھی ذہن میں اچانک خیال کا ایک کوندا سا لپکتا کہ کہیں وہ اس کہانی کی سبز پری تو نہیں اور کہیں وہ کہانی سچ تو نہیں۔

ایک دن باتوں ہی باتوں میں اس نے اپنی پچھلی زندگی کے بہت سارے واقعات بتلا دیے اور اسے پتہ چلا کہ چند سال قبل اس کی شادی ایک ایسے تاجر سے ہوئی تھی جس کا مزاج لوہے کی طرح سخت تھا اسلئے ان کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے۔ اور اسے وہ خوشیاں حاصل نہیں ہوسکیں جن کا وہ تعاقب کر رہی تھی۔ پھر ایک دن اس کا بدمزاج شوہر ایک ہوائی حادثہ میں ہلاک ہوگیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ تنہا ہوگئی۔ اس درمیان بہت سے ہاتھ اس کی طرف بڑھے مگر اس نے محسوس کیا کہ ہر ہاتھ میں کانٹوں بھرا گلدستہ ہے اور ہر آنکھ میں ایک غیر معمولی چمک ہے۔

ایک رات منی نے نہایت غصہ سے کہا۔
"بابا جی تم یوں غائب ہوتے جارہے ہو جیسے سینگ کے نیچے سے .....،"
وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "بہت انوکھی بات کہہ رہی ہو بیٹی!"
وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "اب کیسے ہنس رہے ہو۔ سچ سچ کہو روز اتنی دیر سے کیوں آتے ہو؟"
"سچ سچ کہوں؟" ــــــ وہ سوچ میں پڑ گیا ــــــ "تو سنو! بیٹی وہ تمہاری سبز پری ہے نا، وہ بے چاری بہت اداس ہے۔ کئی دن سے شام ہونے کے بعد کار لے کر آتی ہے اور مجھے نہیں بھی لے جاتی ہے۔ وہ شاید مجھے اپنا دوست سمجھنے لگی ہے۔ آج کہہ رہی تھی اگر تمہارے پاس شہر کی سب سے بڑی فلاور شاپ ہو جائے تو؟"
"تو تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا میں خواب نہیں دیکھتا۔ اس بات پر وہ خوب ہنسی"
"بپّا۔ کیا اس نے یہ نہیں کہا کہ تمہارے گھر کے پیچھے خزانہ دفن ہے"
"نہیں"
"تو وہ سبز پری ہرگز نہیں۔ بپّا جی آج میں تمہارے انتظار میں کتنا روئی تھی۔ یہاں جھونپڑے میں دم گھٹ رہا تھا۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بس دل تو یہی چاہتا تھا کہ تم جب بھی آؤ تو تمہیں مرغا بنا دوں"
وہ ہنسنے لگا۔ "اچھا بیٹی اب اگر دیر سے آیا تو ضرور مرغا بنا دینا"
"تو ٹھیک ہے۔ اب بھولنا مت"

مگر بھول کئی بار ہو گئی۔ ایک رات جب وہ واپس پہنچا تو منّی سو چکی تھی۔ اس نے اسے بہت جگایا مگر وہ اٹھی ہی نہیں۔ مجبوراً وہ بھی بھوکا ہی سو گیا۔
صبح منّی خاموش خاموش اور کافی منہ پھلائے ہوئے تھی۔
"بیٹی ناراض ہو مجھ سے ــــ معاف کر دو"
وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔
"بپّا ایک بات کہوں..... تم کچھ بدلتے جا رہے ہو۔ اب مجھے اپنی ممّی کی یاد بہت آنے لگی ہے"
"نہیں بیٹی میں بالکل نہیں بدل رہا ہوں۔ قسم سے"
"جھوٹ مت بولو۔ تمہارے اندر اب مجھے اپنی ممّی بالکل دکھائی نہیں دے رہی ہے"
"بیٹی تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں اب بھی تمہیں اتنا ہی پیار کرتا ہوں۔ فرق بس اتنا ہے کہ میں پہلے سے زیادہ مصروف ہو گیا ہوں۔ تمہارے مستقبل کیلئے مجھے بہت کرنا ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ ہماری قسمت اب پلٹنے والی ہے"
"بپّا دسلمٰی آپا بھی کہہ رہی تھیں کہ آج کل تمہارے بپّا کہاں رہ جاتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے بیٹی، اب تمہیں شکایت نہیں ہوگی۔"

شام ڈھلنے کے بعد جب چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تو اس نے اپنی دوکان سمیٹ لی۔ روڈ پار کر کے جب وہ سامنے والے فٹ پاتھ پر پہنچا تو سفید کار ایک دھچکے کے ساتھ قریب آ کر رک گئی۔

"اندر آجاؤ۔"

وہ کار میں بیٹھ گیا

کچھ وقت گذرنے کے بعد ساحل سمندر پر ایک خوبصورت ریسٹورنٹ میں وہ اس سے شکایت آمیز انداز میں بولی۔ "آج تم نے میرا انتظار نہیں کیا۔"

"میں بہت مصروف رہا۔ منی سے میں نے گھر جلد پہنچنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ بہت ہلی ہے۔"

"میرے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی وہ؟"

"ہاں۔ کہہ رہی تھی کہ بابا جی کیا سبز پری نے تم سے یہ نہیں کہا کہ تمہارے گھر کے پیچھے خزانہ دفن ہے۔ دراصل وہ کہانی اس کی روح میں رچ بس گئی ہے۔"

"خزانہ تمہارے گھر کے پیچھے نہیں۔ تمہارے قدموں کے نیچے ہے۔" وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

وہ چونک گیا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

وہ نہایت وقار سے مسکرائی۔ "ہم دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ضرور ہے مگر ہماری کہانیاں ایک دوسرے سے شباہت رکھتی ہیں۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔"

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں بھی کوئی خزانہ ڈھونڈ رہی ہوں۔ اچھا ایک بات کہو۔ جب میں پہلی بار تمہاری دوکان پر آئی تھی تو تمہاری حالت اتنی متغیر کیوں تھی؟"

"آپ نے کچھ محسوس کیا تھا؟"

"ہاں ــــــ مجھے یوں لگا جیسے تم نے کا جنگل پار کرنے کے بعد میرے سامنے اچانک

پھولوں کی باڑھ آگئی ہو۔ تم واقعی گلفروش ہو۔ میں نے چند سال ایک لوہے کے انسان کے ساتھ زندگی گذاری ہے۔ وہ دن میں کبھی نہیں بھول سکتی ؟

وہ خاموش، اشاروں اور کنایوں کی زبان کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر اس نے محسوس کیا کہ جیسے سبز پری نے جادو کی چھڑی سے اس کی پوری زندگی تبدیل کر دی ہو۔ وہ ایک حقیر گلفروش نہیں بلکہ الف لیلوی کہانی کا شہزادہ ہے اور منی اتنی خوش ہے، اتنی خوش ہے کہ...... اچانک کہیں سے ایک جملہ ابھرا۔

"بتا جی تمہارے اندر مجھے اب اپنی منی بالکل دکھائی نہیں دے رہی ہے"

اس نے چونک کر آنکھیں اوپر اٹھائیں تو اس کی نظریں اُس کے اپنے جھونپڑے تک پہنچ گئیں، جہاں دروازے کے سامنے پڑے ہوئے پتھر پر منی گم سُم اور اداس بیٹھی نظر آئی۔

وہ بے چین ہو گیا۔

اس کے اندر سے ـــــ بہت اندر سے ایک گونج دار آواز ابھری۔ ایک تحکمانہ آواز۔

"گلفروش اُٹھو"

وہ فوراً اُٹھ گیا

"میں اب زیادہ دیر نہیں رک سکتا،، وہ بولا۔ ہمارا فاصلہ دور کرنے کا حق صرف منی کو ہے"

اور پھر اس نے جدھر بھی دیکھا اسے منی کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئیں۔

اس نے محسوس کیا کہ خزانہ کہیں اور نہیں بلکہ ان معصوم آنکھوں کے بیچ میں ہے۔

بائیں پسلی II

لڑکیاں، شام، سڑک اور میں ...... ہاہا

نیا شہر، نئے چہرے، نئی نائکیں، نئی سرگرمیاں.....

ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ میں اُس شہر کو چھوڑ کر یہاں آ گیا ہوں۔ یہاں کی شام کتنی سہانی ہے۔ جیسے جھانسی کی رانی۔ یعنی کسی زمانے میں جب میں جھانسی میں تھا تو وہاں رانی نام کی ایک لڑکی ہر شام مجھ کو جھانسہ دے کر بھاگ جاتی تھی مگر ایک دن میں نے اس کو پکڑ ہی لیا اور جب اس کی ناک پہ اپنے دانتوں کے نشانات ثبت کئے تو مزہ آ گیا۔ بڑی سہانی لگی......

ہاں تو میں اپنے سابقہ شہر یعنی مس افروز کے شہر کو چھوڑ کر جب سے یہاں آیا ہوں۔ بہت مزے میں ہوں۔ اُس شہر کی ساری لڑکیاں پرانی ہو گئی تھیں۔ سوری۔ لڑکیاں کبھی پرانی نہیں ہوتیں۔ دراصل میں خود ان کیلئے پرانا ہو گیا تھا۔ اس وقت میں اِس نئے شہر کے ایک پُرہجوم روڈ پر چل رہا ہوں۔ دونوں طرف فٹ پاتھ پر کاندھوں سے کاندھا چھل رہا ہے۔ گویا کاندھے اور کاندے میں کوئی فرق ہی نہیں۔ پیاز کو مراٹھی میں کاندا کہتے ہیں۔ سامنے بڑا خوبصورت ریسٹورنٹ ہے۔ باہر ایک وردی پوش چوکیدار کھڑا ہوا ہے۔ یہ ایکدم روایتی اسٹائل ہے۔ میں جب ریسٹورنٹ جاری کروں گا تو باہر کوئی جلین دار رکھوں گا۔ اسے کہتے ہیں جدّت! چلو بھئی آج ہم اسی ریسٹورنٹ میں کچھ وقت مزے اڑائیں۔ ہاں تو وہ شہر میں نے کیوں چھوڑا؟ یہ بہت اہم سوال ہے۔ دراصل وہاں عزت خطرے میں پڑ گئی تھی۔ ارے، یہ لڑکی مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہے؟ ہوں سمجھا،

ضرور کبھی اس نے مجھے اپنے خوابوں میں دیکھا ہوگا۔ خیر۔۔۔۔۔ اُس شہر میں ایک رات بڑا عجیب واقعہ ہو گیا۔ میں پلنگ پر سویا ہوا طرح طرح کے خواب دیکھ رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھٹاک سے کھل گیا۔ میں چونک اٹھا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے کالے لباس میں ایک لانبی سی لڑکی تھی۔ میں گھبرا گیا۔ وہ میرے قریب آئی اور مجھے شکیلہ کی بلّی کی طرح گھورنے لگی۔ اس کی ناک بہت لمبی تھی اور ناخن بھی نوکیلے تھے۔

میں نے بوکھلا کر پوچھا: "کون ہو تم؟"

وہ بولی ــــــ "میں چڑیل ہوں۔"

"چڑیل؟" ــــــ میں نے گھبرا کر اس کے پنجوں کی طرف دیکھا۔ "مگر تمہارے پاؤں تو سیدھے ہیں۔"

"میں سیدھے پاؤں کی چڑیل ہوں۔"

"اچھا۔"

پھر سوچا کہ اس سے اور کون سا سوال پوچھنا چاہئے، لہٰذا ایک تاریخی سوال کر دیا۔

"تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟"

وہ بولی ــــــ "وہی سلوک، جو ایک چڑیل بھوت کے ساتھ کرتی ہے۔"

"بھوت؟ مگر میں بھوت نہیں ہوں۔"

"تم پکے بھوت ہو۔ تم نے اس شہر میں بہت سی لڑکیوں کی ناکوں پر حملے کئے۔ دانتوں سے کاٹا انھیں۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ مگر تمہاری ناک اتنی لمبی کیوں ہے؟"

"یہ میری ذاتی ناک ہے۔" وہ اور تیزی سے گھورنے لگی۔ "اب تم اپنی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

خوف کی وجہ سے میری حالت خراب ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ عزت خطرے میں ہے۔ اگر اس نے میرا بوسہ وغیرہ لے لیا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ جسے بھی یہ بات معلوم ہوگی وہ تو یہی سوچے گا کہ اب چڑیلیں بھی مجھ سے تعلقات رکھنے لگی ہیں۔ ممکن ہے وہ میرا

خون ہی چوس لے اور میں سچ مچ بھوت بن جاؤں لہٰذا کسی طرح اس سے جان چھڑانی چاہیے۔

وہ اور قریب آکر بولی "سزا بھگتنے سے پہلے اپنی آخری خواہش بیان کرو۔"

"میں اپنی مرغی سے ملنا چاہتا ہوں۔ بہت دنوں سے کڑک ہے وہ، مگر مجھے لگتا ہے کہ ڈھونگ کر رہی ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"پچھواڑے دڑبے میں ہے۔"

"ٹھیک ہے جا کر مل آؤ۔ مگر یاد رہے، بھاگنا نہیں۔"

میں سر ہلا کر پچھواڑے گیا اور وہیں سے رفوچکر ہو گیا۔ تب سے یہاں ہوں میں۔ اچھا شہر ہے یہ، مگر یہاں بھی دو چار لوگ مجھے پاگل سمجھنے لگے ہیں۔ ناسمجھ ہیں وہ، اگر میں پاگل ہوتا تو اس طرح سڑکوں پر آزادانہ تھوڑی گھومتا۔ کسی اعلیٰ یونیورسٹی میں لیکچرار ہوتا، کوئی میڈیکل کالج کا پرنسپل ہوتا۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور مجھے اتنے تعجب سے کیوں دیکھ رہا ہے؟ مگر اس چڑیل کی ناک کتنی لمبی تھی اگر میں اس سے کہہ دیتا کہ تمہاری ناک بھنڈی کی طرح ہے تو وہ یقیناً میرا خون پی لیتی۔ پتہ نہیں افروز اور نیلوفر وہاں کس حال میں ہوں گے۔ یہ سامنے سے جو براؤن سوٹ والا آرہا ہے کتنا نیم شحیم ہے۔ بالکل شتر مرغ کی طرح۔ یہ شتر مرغ بھی کتنا عجیب جانور ہے۔ جانور ہے یا پرندہ ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہیں سے جانور دکھائی دیتا ہے اور کہیں سے پرندہ۔ اتنی متضاد شخصیت، کہ اسے دیکھ کر انسان بھی شرمائیں۔ سنا ہے کہ شتر مرغ جب اپنے دشمن سے خوفزدہ ہو کر جان بچانا چاہتا ہے تو ریت میں اپنی گردن دھنسا دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب دشمن اسے دیکھ نہیں سکتا۔ بہترین آئیڈیا ہے یہ۔ دشمن کو جب اس کا سر ہی دکھائی نہیں دے گا تو وہ کیا سمجھے گا کہ یہ کیا چیز پڑی ہے۔ وہ نیم شحیم آدمی میرے پاس سے گذرتے ہوئے مجھے دیکھ کر کتنا مسکرا رہا تھا۔ کہیں کسی نے میرے بارے میں اس سے کچھ کہا تو نہیں۔ وہ دو لڑکیاں جو میرے پیچھے پیچھے آرہی ہیں ضرور میرے تعاقب میں ہیں۔ مجھے ان کی نیت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے سیدھا سادا دیکھ کر میرا اغوا کر لیں۔ بہت خراب زمانہ آگیا ہے۔ جدھر دیکھو، ادھر لڑکیاں۔ مجھے اپنی رفتار اور تیز کر دینی

جا رہے۔ ریسٹورنٹ قریب آگیا ہے۔ آج کی شاندار شام ہم وہیں گذاریں گے۔ یہ سامنے جو جنرل اسٹورس ہے اس کا مالک کتنے موٹے شیشوں کی عینک لگائے ہوئے ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کاونٹر پر اُلّو بیٹھا ہوا ہے۔ اُلّو بہت ہی عجیب و غریب پرندہ ہے۔ میں تو جب بھی اس کی صورت دیکھتا ہوں مجھے بہت زور سے ہنسی آجاتی ہے۔ بڑے سے سر پر یہ بڑی بڑی آنکھیں۔ اگر کبھی اُلّو کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے تو مزہ آجائے گا۔ جونہی وہ آئینہ میں خود کو دیکھے گا بے ساختہ بول اٹھے گا: "یہ کون بے وقوف ہے" اچھا ہوا کہ یہ پرندہ صرف ویرانوں میں ہی رہتا ہے۔ اگر شہر میں آگیا تو بہت سارے لوگ اپنے چشمے اتار لیں گے۔ بہت سی دوکانیں بند ہو جائیں گی۔ ہاں یاد آیا، میں جہاں رہتا ہوں وہاں بھی ایک موٹی عینک والا ہے۔ اس کی عینک اتنی موٹی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی عقل بھی متاثر ہو گئی ہے۔ مگر میری کھڑکی کے سامنے جو ایک دوسری کھڑکی ہے وہ شاید مجھ سے متاثر ہے، ہر وقت میری تاک میں رہتی ہے۔ یعنی کھڑکی نہیں بلکہ ایک لڑکی۔ اس کا نام میمونہ ہے۔ فارسی زبان میں میمونہ بندریا کو کہتے ہیں اور عربی میں نیک بخت کو۔ پتہ نہیں اس کا نام فارسی میں ہے یا عربی میں۔ اس کی حرکتیں دیکھ کر تو لگتا ہے کہ یقیناً اس کا نام فارسی میں ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر کبھی ہاتھ نچاتی ہے، کبھی کولھے مٹکاتی ہے، کبھی اچھل کود کرتی ہے۔ ابھی چند دن ہوئے مجھے اشارے سے بلا رہی تھی۔ میں نے سر ہلا کر انکار کیا تو وہ مُکّہ بتلانے لگی۔ شاید گالیاں بھی دیں۔ پھر اندر جا کر ایک بڑا سا ہتھوڑا اٹھا لائی۔ میں نے جلدی سے اپنی کھڑکی بند کر دی۔ وہ واقعی بہت خطرناک لڑکی ہے۔ اس سے محتاط رہنا نہایت ضروری ہے۔ لڑکی ذات ہے پتہ نہیں کب کیا کر گذرے۔

ایک سفید بلی کئی دنوں سے بہت پریشان کئے ہوئے ہے۔ روزانہ چوہے ڈھونڈنے کے بہانے آتی ہے اور مجھے گھور کر دیکھتی ہے اور اکڑتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ کہیں اسے میرے بارے میں کوئی غلط فہمی تو نہیں؛ غلط فہمی پر مجھے ایک بات یاد آگئی۔ کل جب میں گھر سے باہر نکلا تو پڑوس کی ایک خوبصورت سی لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے ٹکرا گئی۔ پھر شرمندہ ہو کر بولی۔

"سوری: میں سمجھی کہ یہ تم ہو"

میں نے بھی کہا ـــــ ”کوئی بات نہیں، یہ میں نہیں ہوں“

میں نے تو سوچ لیا ہے، اب ٹکرائے گی تو کہوں گا کہ یہ تم بھی نہیں ہو۔ کیسا زمانہ آگیا ہے، عقل کا کہیں بھی نام و نشان نہیں! اور کچھ لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ پتہ نہیں آج کل سیدھے چور کیوں نہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ اس بات پر مجھے وہ موٹی عینک والا یاد آرہا ہے جو میرے بازو میں رہتا ہے۔ وہ خود کو بہت جینئس اور صحیح سمجھتا ہے اور باقی سب کو فضول اور غلط۔ آئے دن شور کرتا ہے کہ سب لوگ صرف غلطیاں کرنا جانتے ہیں۔ میرا دھوبی کہہ رہا تھا کہ وہ نقّاد ہے دن رات دوسروں کی تخلیقات دھوتا رہتا ہے۔ دھوبن جو خود کو ایک اچھی شاعرہ سمجھتی ہے کہہ رہی تھی کہ وہ بڑا مغرور اور گھمنڈی آدمی ہے۔ شاید احساسِ کمتری کا شکار ہے۔ دوسروں میں عیب ڈھونڈتا ہے مگر خود تو پوری پوری کتاب غلط لکھ ڈالتا ہے۔ مجھے لگتا ہے دھوبی اور دھوبن سے اس کا کچھ تنازعہ چل رہا ہے، چلنا بھی چاہئے اگر کوئی کسی شخص کی پھولوں کی کیاری میں گھس کر گدھوں کی طرح لوٹنے لگے تو ظاہر ہے کہ تنازعہ پیدا ہو جائے گا۔ تنازعہ تو آج کل میرا بھی چل رہا ہے۔ عبدل کے بکرے سے۔ وہ بھی پڑوس میں ہی رہتا ہے۔ میں جب بھی ادھر سے گزرتا ہوں تو میری طرف سینگ تان کر یوں دوڑتا ہے جیسے میں خیر..... اس کی دوسری سینگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ عبدل کہہ رہا تھا کہ ایک دن ایک کالے رنگ کی کار کو اس نے بھینس سمجھ کر سینگ ماری تو کار اس کی ایک سینگ ہی لے گئی۔ مگر وہ بکرا مجھے سمجھتا کیا ہے؟ اگر اس کی ناک گندی نہ ہوتی تو پھر مزہ چکھاتا اسے۔ چھوڑو! اس کے فراق میں نہیں رہنا چاہیے۔

ارے! وہ دونوں لڑکیاں تو ابھی تک پیچھے پیچھے چل رہی ہیں۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خطرہ ہے۔ مگر دونوں کتنی صحت مند اور سڈول ہیں۔ جیسے لڑکیاں۔ وہ جو مردوں کے لباس میں ہے اس کی ناک کتنی خوبصورت ہے اگر کبھی تنہائی میں ملی تو کاٹ لوں گا۔ اور وہ سُرمہ کی دوکان والے کی ناک کتنی چپٹی ہے جیسے کسی نے پکے ہوئے پپیتے پر گھونسہ مار دیا ہو۔ ہاہا..... اس روڈ پر کتنا ہجوم ہے۔ ابھی ابھی کوئی لڑکی مجھے کہنی مار کر گئی ہے۔ ارے! وہ دُم کٹا کتا کتنی حیرت سے دیکھ رہا ہے۔ لگتا ہے اس کی نظر میری جیب پر ہے مگر میری جیب میں تو میری نئی مرغی کی تصویر ہے

جسے میں اس شہر میں چھوڑ آیا (پرانی مرغی تو افروز ہڑپ کر چکی ہے۔)...... ریسٹورنٹ قریب آگیا ہے۔ چوکیدار پتہ نہیں کیوں یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہے جیسے میں انسان نہیں کوئی حویلی ہوں۔ اگر انسان کی طرح حویلیاں بھی چلتیں تو بڑا مزہ آتا۔ سب لوگ ہر وقت اپنی اپنی حویلی ڈھونڈتے رہتے اور حویلیاں خوب آنکھ مچولی کرتیں۔ (میں ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا ہوں) اُف۔ یہاں بھی کسی لڑکی نے کہنی مار دی ہے۔ مجھے سب خبر ہے۔

اندر بڑی رونق ہے۔ لوگ گردن گھما گھما کر میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ کچھ لڑکیاں چہ میگوئیاں کرنے لگی ہیں۔ ضرور مجھ میں کوئی خاص بات ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سب میری شخصیت سے متاثر ہیں۔ ایک ویٹر قریب سے گذرتا ہے۔

"ویٹر چائے لاؤ" میں شان سے کہتا ہوں۔

وہ واٹر گرین کلر کے لباس میں جو لڑکی ہنس رہی ہے اس کی ناک کتنی ستواں ہے۔ شاید پورے ہال میں اتنی خوبصورت ناک کسی کے پاس نہیں ہے، جی چاہتا ہے اس سے شادی کر لوں یعنی لڑکی سے نہیں بلکہ اس کی ناک سے۔ ایک ناک کے لئے پوری لڑکی سے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اتنا بے وقوف تھوڑی ہوں۔ کل دو آدمی میرے بارے میں بہت غلط سلط باتیں کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا کہ میں خطرناک قسم کا نفسیاتی مریض ہوں میرے دماغ پر عورت سوار ہے۔

اوّل تو یہ بات ہی سرے سے غلط ہے اور اگر صحیح بھی ہے تو اس میں میرا کیا قصور؟ عورت کو چاہئے کہ وہ ہاتھی گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ اگر ہاتھی گھوڑا نہ ملے تو قابلِ تعریف اور بھی دوسرے جانور ہیں کسی پر بھی سوار ہو جائے۔ میرے دماغ پر سوار ہونے کی کیا ضرورت۔

دوسرا کہہ رہا تھا کہ میں ہر وقت صنفِ نازک کے خیال میں مست رہتا ہوں۔

یہ بات بھی غلط ؛ سراسر بہتان ہے اور یہ صنفِ نازک کی اصطلاح کس نے ایجاد کی؟ ایجاد کی یا دریافت کی۔ ہر جگہ اختراع زیب نہیں دیتی۔ ادیبوں کو بھی تو کچھ کہنا ہی کیا ہے۔ انھوں نے ابھی تک شاید کوئی لمبی ناک والی چڑیل نہیں دیکھی۔ یہ میں ہی جانتا ہوں کہ وہ شہر میں نے کیوں چھوڑا۔ افروز نے میری پوری مرغی ہڑپ کر لی۔ (جو تخمیں کی) کئی لڑکیوں نے مجھے بکوٹے بھی لیا۔ گالیاں بھی دیں۔

نیلوفر...... خیر جانے دو۔

سامنے کے ٹیبل پر وہ مرغی سی عورت کون ہے؟ اس نے اپنی پکوڑا جیسی ناک میں نتھ کیوں ٹانک رکھی ہے۔ کیا اس طرح اس کی ناک قابلِ دید ہو جائے گی۔ چھی چھی جیسے پکوڑے پر جھینگر ـــــــ ویٹر چائے لے آیا ہے...... واہ کیا مزے کی چائے ہے۔ ایسی چائے میں ایک بار فرزانہ کے یہاں پی چکا ہوں۔ عجیب لڑکی ہے وہ۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگی۔ "تم مجھے اٹھا کر پٹخ کیوں نہیں دیتے جی" ارے! وہ دونوں لڑکیاں تو سامنے آکر بیٹھ گئی ہیں۔ آخر مجھ سے چاہتی کیا ہیں؟ کہنے کو تو بے نیاز بیٹھی ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ دونوں میرے ہی بارے میں سوچ رہی ہیں۔ وہ مرُدان کلر کے لباس میں جو ہے نا، اس کا رنگ کتنا صبیح ہے جیسے ابھی ابھی گوندھا ہوا آٹا۔ ابھی ابھی کا استعمال اسلئے کیا ہے کہ مجھے معلوم ہے تھوڑی دیر پڑا رہنے کے بعد اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہاں ایک بات یاد آئی۔ چند دنوں پہلے جب میں کامنی کے یہاں گیا تھا تو وہ چوکی پر بیٹھی ڈانس کر رہی تھی۔ میں سوچنے لگا شاید یہ کوئی نیا ڈانس ہے مگر جب قریب جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ آٹا گوندھ رہی ہے۔ اس کے ڈیڈی بڑے شکی آدمی ہیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے "جب سے تمہارا یہاں آنا جانا شروع ہوا ہے میرے کئی جوتے غائب ہو گئے ہیں" میں نے کہا "جادوئی جوتے آپ پہنتے کیوں ہیں؟"

اس شہر میں عجیب عجیب طرح کے لوگ ہیں۔ اور لڑکیاں؟...... ان کے بارے میں تو اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن میمونہ سے بچ کے رہنا چاہیئے۔ کتنا بڑا ہتھوڑا ہے اس کے پاس۔ پتہ نہیں کہاں سے لے کر آئی ہے۔ کاؤنٹر پر منیجر بہت خوش لگ رہا ہے۔ اس نے مہندی یا کسی سلوشن کے ذریعے اپنے بال لال کر لئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس کے سر پر کلغی ہے۔ اسے دیکھ کر مرغیوں کو اکثر غلط فہمی ہو جاتی ہوگی۔ میری نئی مرغی اس وقت جانے کس حال میں ہوگی۔ ممکن ہے وہ بھی افروز کے باورچی خانے میں گھس گئی ہو (بے وقوف کہیں کی) اس شہر کی سب لڑکیاں مجھے پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہی ہوں گی۔ ہاہا...... یہاں میں کتنے مزے میں ہوں۔ مگر اس میمونہ کی بچی نے تو بہت ہی پریشان کر رکھا ہے۔ لگتا ہے کہ عاشق ہو گئی ہے مجھ پر۔ کل میں نے خواب میں اسے بہت غصہ میں دیکھا تھا۔ مجھ سے کہہ رہی تھی "اگر تم نے مجھ

سے بے وفائی کی تو میں اس ہتھوڑے سے تمہارا سُرمہ بنا دوں گی " میں نے کہا: "سُرمہ کا رواج اب کم ہو گیا ہے اس سے تو بہتر ہے لپ اسٹک بنا دو" اس بات پر وہ اور بھی غصہ میں آگئی۔ اچھا ہوا کہ خواب بس اتنا ہی دیکھا تھا۔

میں جس گھر میں رہتا ہوں، لگتا ہے کہ عجائب گھر ہے۔ دیواروں پر عجیب عجیب جملے اور نام لکھے ہوئے ہیں۔ لڑکیوں، پہلوانوں، قوالوں، کرکٹ کے کھلاڑیوں اور کچھ ترکاریوں کی تصویریں چسپاں ہیں۔ پتہ نہیں کیسے کیسے لوگ اس گھر میں رہ چکے ہیں۔ جانے وہ شخص کون ہوگا جس نے ترکاریوں کی تصویریں بھی لگا دیں۔ ایک جگہ بڑا سا لکھا ہے " دارالاحمقاں" شاید کچھ متکبر اور ڈاکٹر بھی یہاں رہ چکے ہیں۔ اس ویٹر کی وردی کتنی سفید ہے۔ جیسے بگلے کے پر۔ چلتا ہے تو خدشہ ہوتا ہے کہیں اڑ نہ جائے۔ ہاں تو اس گھر میں مجھے پہلے ہی دن کئی تجربے ہوگئے۔ اول یہ کہ اس شہر میں پاگلوں کی کمی نہیں۔ دوم یہ کہ اس گھر سے کئی لوگ پاگل خانے بھیج دیئے گئے۔ ایک پڑوسی اکثر مجھے مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا گر کئی دنوں سے نظر نہیں آ رہا ہے۔ کہیں اسے بھی یہاں نہ پہنچا دیا گیا ہو۔ یہ دنیا تو قدرت کا کارخانہ ہے۔ کارخانہ اور کبوتر خانہ ایک ہی ہے لیکن اگر دنیا کو قدرت کا کبوتر خانہ کہہ دیا جائے تو بہت سے لوگ برا مان جائیں گے۔ وہ نتھ والی موٹی کتنی خوش ہے اس کی نتھ کیا خوب چمک رہی ہے۔ جیسے خربوزے پر درانتی۔ ہاں تو اس گھر میں پہلے ہی دن میرا تعارف پلنگ سے ہوا جونہی میں اس پر بیٹھا وہ چیخ اٹھا "ہو اجی جناب ـــــ ذرا آہستہ تشریف رکھئے۔ میں ایک نازک مزاج نواب کا پلنگ ہوں اور کافی بوڑھا ہو چکا ہوں"

"تم یہاں کیسے پہنچے؟"

"نواب صاحب نے مجھے ایک کباڑیئے کے ہاتھوں بیچ دیا تھا"

"کیوں؟"

"کیونکہ مجھ میں کھٹملوں کی فوجیں تیار ہونے لگی تھیں جن کی وجہ سے نواب صاحب کی صلاحیت دن بہ دن ختم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ہر وقت اپنے کپڑوں میں کھٹمل ڈھونڈنے لگے تھے۔ اگر میں تجوری ہوتا تو آج میری کافی عزت ہوتی"

دیواریں بولیں "ذرا میری بھی سنو۔ مجھ پر چاروں طرف تصویریں اور فقرے وغیرہ جو چسپاں ہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ بہت سے لوگ میرا سہارا لے کر اپنے بارے میں بولتے ہیں یا اپنی ذات کا اعلان کرتے ہیں۔"

دروازہ بولا "اس سامنے والی لڑکی سے، جس کا نام میمونہ ہے ذرا ہوشیار رہنا، اس کی وجہ سے کئی لوگ یہاں سے بھاگ چکے ہیں اور ایک دو کے سر پر پٹیاں بھی لگ گئیں۔"

یہ ساری باتیں کوئی سُنے گا تو بولے گا "بکواس! دیواریں اور پلنگ وغیرہ بولتے کب ہیں؟" ـــــ ارے بھئی، یہ فینٹیسی ہے فینٹیسی۔ اس کے بارے میں کوئی بھی عقل مند نقاد ڈکشنری کو سامنے رکھ کر یہی کہے گا "فرضی ..... خیالی ..... غیر حقیقی ....." لیکن میں نے بھی دو چار کتابیں پڑھی ہیں۔ کرشن چندر وغیرہ نے جو فینٹیسی پیش کی، کیا اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیا وہ محض فرضی ہے؟ بھئی ڈکشنری دیکھنے کی بجائے یہ دیکھنا چاہئے کہ پلنگ اور دیواروں نے کیا کہا اور اس میں کتنی صداقت ہے۔ عقل و شعور اگر ڈکشنری کے اندر سے حاصل ہوتے تو ...... خیر جانے دو۔ یہ اپنا موضوع ہی نہیں ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس ...... ہاہا۔ ہاں ایک بات یاد آئی۔ ایک دوپہر میں جبکہ گلی سنسان تھی اور سامنے کی کھڑکی میں میمونہ کھڑی لچک رہی تھی میں نے اس سے پوچھا۔

"تم اتنا اچھل کود کیوں مچاتی ہو؟"

وہ بولی ـــــ "میں ٹارزن کی نسل سے ہوں۔"

میں نے کہا ـــــ "تم ٹارزن کی نسل سے ہو یا ٹارزن تمہاری نسل سے تھا؟"

اس بات پر وہ بگڑ گئی اور خوب گالیاں دینے لگی۔ پھر ہنس کر بولی۔

"کبھی رات میں ملو نا۔ میں بھی تو جانوں تم کس نسل سے ہو۔"

توبہ۔ یہ لڑکی ہے یا آفت ...... وہ لمبی ناک والی چڑیل یقیناً مجھے وہاں ڈھونڈ رہی ہوگی۔ سیدھے پاؤں کی چڑیلیں پتہ نہیں کب سے پیدا ہونے لگی ہیں۔ شاید یہ ایٹمی تجربات کا اثر ہے۔ ارے! یہ کون لڑکی ادھر چلی آ رہی ہے۔ اس کے چہرے سے کتنی وحشت برس رہی ہے۔ بال

بھی بکھرے ہوئے ہیں۔ کہیں نشہ میں تو نہیں..... اُف! یہ تو میرے سامنے کی کرسی پر آکر بیٹھ گئی ہے۔ لوگ مڑ مڑ کر ادھر دیکھنے لگے ہیں۔ وہ دونوں لڑکیاں بھی اس طرف متوجہ ہیں۔ اوہ! یہ تو میرے کانوں کو مسلسل گھور رہی ہے۔ کہیں وہ چڑیل روپ بدل کر تو نہیں آگئی، مگر میرے کانوں میں ایسی کون سی خاص بات ہے جو یہ اس طرح گھور رہی ہے۔ ممکن ہے اس شہر میں آکر چھوٹے ہو گئے ہوں۔

میں خوف و حیرت سے پوچھتا ہوں "تم میرے کانوں کو کیوں گھور رہی ہو؟"

"تمہارے کان مجھے اِملی کی طرح لگ رہے ہیں" اس کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔

"اِملی کی طرح؟"—— میں بوکھلا جاتا ہوں "تم ہوش میں ہو کہ نہیں؟"

"تم خود ہوش میں نہیں ہو۔ دیکھتے نہیں کہ اس درخت پر لال اِملی کے کتارے لٹک رہے ہیں"

"میں درخت نہیں انسان ہوں"

"تم کیا ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، مجھے صرف یہ اِملی چاہیے۔ تیز کھٹی اور میٹھی"

ایک ویٹر قریب آکر میرے کانوں میں سرگوشی کرتا ہے "اس لڑکی سے ہوشیار رہنا، پاگل خانے سے واپس آئی ہے۔ اب تک کئی لوگوں کے کان چبا چکی ہے"

میں گھبرا کر اٹھتا ہوں اور پلک جھپکتے ہی ریسٹورنٹ کے باہر آجاتا ہوں

عجیب لڑکی ہے اچھے بھلے کان کو اِملی کہہ رہی تھی۔ یہاں سے فوراً بھاگنا چاہیے۔ لگتا ہے یہاں بھی عزت خطرے میں ہے۔ عجیب شہر ہے یہ۔

دارالامتحان، ہتھوڑا، پلنگ اور اِملی۔

لڑکیاں..... شام..... سڑک اور میں..... ہاہا!

طلسم

بازار سے گذرتے ہوئے وہ محسوس کرتا ہے
کہ جیسے سارا منظر اُس کا لباس ہوگیا ہے اور بازار میں موجود تمام عورتوں اور لڑکیوں کی مسکراہٹ، اور اِدھر اُدھر کھڑی ہوئی عمارتوں کی کھڑکیوں اور چلمنوں سے جھانکتی ہوئی خوب صورت آنکھوں کے سلام اس کے جسم پر پھولوں کے موسم ثبت کر رہے ہیں۔
اور اس کے برخلاف تمام مردوں کی نگاہیں اس کی جانب غضبناک انداز میں اٹھ رہی ہیں۔
وہ بیک وقت پھولوں اور کانٹوں کی میزان میں ہے اور میزان میں ہلچل ہے۔
اچانک کسی طرف سے گھوڑوں پر سوار سپاہی دھول اڑاتے ہوئے آتے ہیں اور اسے گرفتار کرکے اس کے ہاتھوں میں رسّی باندھ دیتے ہیں۔ بازار میں دونوں طرف بھیڑ لگ جاتی ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں کی بہت ساری چیخیں احتجاجاً بلند ہوتی ہیں۔ پسِ چلمن خوبصورت آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور مرد قہقہے لگاتے ہیں، خوشی میں منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہیں۔ سپاہی گھوڑوں پر دوبارہ سوار ہو کر اس کی رسّی کھینچتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔
"تم نے مجھے کیوں گرفتار کیا؟" وہ سپاہیوں سے پوچھتا ہے۔
"ملکۂ حُسن کا حکم ہے۔" ایک سپاہی جواب دیتا ہے۔
"لیکن میرا جرم کیا ہے؟"
"ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

دونوں سمت عورتوں اور مردوں کے ہجوم میں بار بار طغیانی سی آتی ہے. شور میں اضافہ ہو جاتا ہے. ہجوم بے قابو ہونے لگتا ہے. احتجاج اور مسرت کا یہ متفاوت منظر دیکھ کر سپاہیوں کا ایک دستہ تیزی سے آ کر ہجوم کے سامنے ایستادہ ہو جاتا ہے. ہجوم رُک جاتا ہے. سپاہی اُسے کھینچتے ہوئے شاہی محل کی طرف چلتے ہیں.

وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے. لہراتے ہوئے رومال، مختلف آوازیں اور رنگین ملبوسات سے بلند ہوتے ہوئے ہزاروں متحرک ہاتھ. جیسے خزاں میں دھنک.

سپاہی اُسے دربار میں ملکۂ حُسن کے رو برو پیش کرتے ہیں. ملکۂ حُسن اسے دیکھ کر کچھ لمحوں کیلئے کھو جاتی ہے...... پھر سنبھلتی ہے...... اس کے بعد پھر کھو جاتی ہے اور پھر اچانک دُزدیدہ نظروں سے دربار کی طرف دیکھتی ہے. کارروائی شروع ہو جاتی ہے.

"ملکۂ عالیہ ـــــ" وزیر مخاطب ہوتا ہے" مجرم اس سرزمین کا سب سے خوبصورت انسان ہے. اگرچہ خوبصورت ہونا کوئی جرم نہیں ہے. لیکن اس خوبصورتی کی وجہ سے کتنے فساد، کتنے خون خرابے اور کتنے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اس کا ہم سب کو اچھی طرح سے علم ہے. مجرم جس گلی سے بھی گذرتا ہے، عورتیں اور لڑکیاں اسے دیکھ کر پاگل سی ہو جاتی ہیں. اس کی وجہ سے تمام مردوں کی اہمیت ختم ہوتی جا رہی ہے.. بیویاں اپنے شوہروں سے بے وفائیاں اور گستاخیاں کرنے لگی ہیں جس کے باعث گھریلو تنازعات پیدا ہو رہے ہیں. لڑکیاں کام دھندے چھوڑ کر مکان کی چھت پر یا کھڑکیوں میں کھڑی ہو کر اس کا انتظار کرتی ہیں اور اس کی وجہ سے آپس میں جھگڑے بھی کرتی ہیں لہٰذا سارا شور، ہنگامہ، فساد اس مجرم کی وجہ سے ہے. میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ خوبصورت ہونا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن جو چیز اپنی حد سے تجاوز کر جائے وہ عیب بن جاتی ہے. اس کی خوبصورتی کوئی خوبی نہیں بلکہ سراسر عیب ہے ملکۂ عالیہ آپ خود دیکھ رہی ہیں کہ اس کی خوبصورتی کس حد تک خطرناک ہے"

"اس میں کوئی شک نہیں" ملکۂ حُسن کہتی ہے" اس نے تو خوبصورتی میں ہمیں بھی مات

دے دیا ہے۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے "تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"
"جی نہیں۔"
"ملکۂ عالیہ" سپہ سالار سامنے آتا ہے "اس شخص کی وجہ سے ہمارے لشکر میں بھی غلط روش پیدا ہو رہی ہے۔ ہمارے سپاہی نشانہ اندازی، تلوار بازی اور فنِ سپہ گری کی دیگر تمام مشق چھوڑ کر خوبصورت بننے کی کوشش میں زیادہ وقت صرف کرنے لگے ہیں۔"......
"کیوں؟"
"کیونکہ اسے دیکھنے کے بعد وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اپنی بیویوں پر شک کرنے لگے ہیں۔ یہ شخص اگر اس سرزمین پر رہا تو ہماری فوج لونگی بن جائے گی اور دشمن کسی وقت بھی حملہ کر کے ہمیں نیست و نابود کر سکتا ہے۔"
شاہی حکیم آداب بجا لانے کے بعد کہتا ہے "اس شخص کی وجہ سے جوان لڑکیوں میں دل کے امراض تیزی سے پیدا ہو رہے ہیں۔ بہت سی عورتیں سبزی ترکاریاں وغیرہ کاٹنے کے درمیان اپنی انگلیاں زخمی کر لیتی ہیں۔ کئی لڑکیاں حسرت و ناامیدی کی وجہ سے خودکشی کی مرتکب ہو چکی ہیں۔ اس شخص کی وجہ سے تمام مرد اپنے آپ کو بدصورت تصوّر کرنے لگے ہیں۔ کچھ لوگ گورے اور خوبصورت بننے کا راز جاننے کے لئے میری کئی اہم کتابیں چُرا لے گئے ہیں۔ ملکہ عالیہ یہ شخص ہر طرح سے ہمارے لئے نقصان دہ اور باعثِ تشویش ہے۔ میری دانست میں خوبصورتی ایک بہت بڑا فتنہ ہے اس کا سدِّباب نہایت ضروری ہے۔"
ملکۂ حسن اس کی طرف رخ کر کے اس سے دوبارہ پوچھتی ہے "تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"
وہ کچھ لمحے خاموش رہتا ہے، پھر سر اٹھا کر نہایت پُرسکون انداز سے کہتا ہے۔
"ملکۂ عالیہ! میں تو ایسا سمجھتا تھا کہ اس خوبصورتی پر مجھے خلعتِ شاہانہ سے نوازا جائے گا لیکن دربار کا تیور دیکھ کر لگ رہا ہے کہ اس خوبصورتی کی وجہ سے میری جان خطرے میں ہے۔ ابھی یہاں جتنی بھی باتیں پیش ہوئیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ غلطیوں کا ارتکاب میں نے نہیں بلکہ مجھے دیکھنے والوں نے کیا ہے۔ اس سرزمین پر مجھے خوبصورت کہا جا رہا ہے لیکن دنیا میں

خوبصورتی کا معیار کیا ہے۔ ممکن ہے جسے آپ خوبصورتی کہہ رہے ہیں وہ بدصورتی ہو۔ اور اگر میں خوبصورت ہوں بھی تو اس میں میرا کیا قصور؟ خوبصورت ہونا کوئی گناہ تو نہیں۔ یہ تو قدرت کا ایک عطیہ ہے۔ ملکۂ عالیہ گستاخی معاف۔ آخر آپ بھی تو خوبصورت ہیں؟"

"ہماری خوبصورتی سے جھگڑے نہیں ہوتے۔"

"ملکۂ عالیہ۔ اس شخص کی خوبصورتی کی وجہ سے ہمیں شک پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہماری نسل سے نہیں ہے۔ یہ رنگ، یہ شباہت، یہ مٹی، یہ نمک، سب کچھ درآمدہ محسوس ہوتا ہے۔ اسے ہم برداشت نہیں کر سکتے۔"

وہ ملکۂ حسن کی طرف نظر اٹھا کر کچھ سوچتا ہے پھر نہایت سنجیدگی سے کہتا ہے: "ملکۂ عالیہ گستاخی معاف! میں باہر سے درآمد شدہ ہرگز نہیں۔ میں اسی سرزمین سے ابھرا ہوں۔ ابھی میرے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے، دشنام طرازی ہے۔ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ میری خوبصورتی کی وجہ سے سب رشک و تعصب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ رشک و تعصب کا علاج تو شاید آپ کے شاہی حکیم کے پاس بھی نہیں ہے کیونکہ ان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود بھی اس مرض میں گرفتار ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے کوئی سزا دینے کی بجائے آپ سب اپنے اپنے احساسِ کمتری کا علاج کروائیں تو ممکن ہے رقابت اور حسد کا خاتمہ ہو جائے۔ یہاں میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ عورتوں اور لڑکیوں کو اس دربار میں حاضر کیوں نہیں کیا گیا۔ کیا اسلئے کہ وہ میری حمایت میں ہیں۔ یہ کاروائی سراسر یکطرفہ ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے وہ میری صورت کی بجائے میری سیرت کا احترام کر رہی ہوں۔"

"ملکۂ عالیہ۔ مجرم نے جو کچھ بھی کہا ہے، سب بکواس اور زبان درازی ہے۔ یہ اپنے آپ کو پاک و صاف اور باقی سب کو رشک و تعصب میں مبتلا بتلا رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شاہی نجومی کے گھوڑے کی طرح سرکش اور گھمنڈی ہے۔"

شاہی نجومی برا مان کر کہتے ہیں: "میرے گھوڑے کا نام مت لو۔ تم ہر جگہ اس کی برائی کرتے ہو۔"

ملکۂ حسن کہتی ہے: "ہمیں سرکشی بالکل پسند نہیں، چاہے وہ گھوڑے کی ہو چاہے آدمی کی۔"

"ملکۂ عالیہ یہ شخص رفتہ رفتہ ایک موضوع بنتا جا رہا ہے اور یہ اس کا سب سے بڑا گناہ ہے

کیونکہ اس طرح یہ اپنی مقبولیت کا منتر پھونک کر تختِ شاہی تک پہنچنا چاہتا ہے۔ ابھی ابھی ثابت ہوا ہے کہ اس نے ہماری تمام باتوں سے انحراف کیا ہے لہٰذا یہ صرف سرکش ہی نہیں باغی بھی ہے۔ اسے کڑی سے کڑی سزا دینی چاہئے۔ نجومی صاحب! میں آپ کے گھوڑے کے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں۔"

دربار میں چہ میگوئیاں ہونے لگتی ہیں۔ پھر آوازوں میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ درباری اس کے لئے طرح طرح کی سزائیں تجویز کر رہے ہیں۔ ہر آواز میں نفرت اور غصہ کی لَو بھڑک رہی ہے۔ ہر ایک کا رویہ متشدد ہے اور سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بول رہے ہیں۔

"خاموش!" وزیر ہاتھ کے اشارے سے سب کو روکتا ہے "یہ دربار ہے یا مچھلی بازار۔ ملکۂ عالیہ کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ بھی کہنے کا کوئی حق نہیں۔"

ملکۂ حسن اس سے مخاطب ہوتی ہے۔ "تمہیں اور کچھ کہنا ہے؟"

وہ کہتا ہے: "کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن کس طرح کہوں کہ دنیا کی تاریخ میں آج تک خوبصورتی کی سزا کسی کو نہیں دی گئی۔ آپ تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہی ہیں، چلئے یونہی سہی، سرِ تسلیم خم ہے لیکن...... میں ایسا سمجھتا ہوں کہ میری خوبصورتی کو محض ایک بہانہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ آپ سب خونِ ناحق کے الزام سے بچ سکیں۔ اس سرزمین پر مجھ پر کیسے کیسے ظلم ہوئے۔ میں ہمیشہ حسد اور رقابت کے حملوں کی زد میں رہا ہوں۔ مجھے بدصورت کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں۔ میرے گھر کو بار بار جلایا گیا۔ مجھ پر طرح طرح کے الزامات بھی لگائے گئے لیکن میں ایک بات ضرور پوچھوں گا کہ مجھے سزا دینے کے بعد کیا سب لوگ خوبصورت ہو جائیں گے اور کیا سب کا احساسِ کمتری ختم ہو جائے گا؟"

ملکۂ حسن مسکرا کر کہتی ہے۔ "اس سوال کا ہمارے فیصلہ سے کوئی تعلق نہیں ——— سپاہیو! اسے تہ خانے میں ڈال دو۔"

دربار میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ شور بلند ہونے لگتا ہے۔ چند سپاہی اسے پکڑ کر تہ خانے

کی سمت بڑھتے ہیں۔ وہ مڑ کر ملکۂ حسن کی طرف دیکھتا ہے۔ ملکہ مسکراتی ہے۔ شور اور بڑھ جاتا ہے وزیر چیختا ہے۔

"یہ مچھلی بازار ہے یا دربار؟"

شاہی حکیم وزیر کو حیرت سے دیکھتا ہے۔" شاید آپ اُلٹا کہہ گئے۔"

وزیر مسکراتا ہے۔" ارے بھئی یہاں اُلٹا سیدھا سب چلتا ہے۔ کیا تم نے سُنا نہیں کہ سپہ سالار نے فوج کو لونڈنگی کہہ دیا تھا۔"

رات میں تہ خانے کا دروازہ آہستہ سے چرچراتا ہے اور ایک شمع نمودار ہوتی ہے۔ وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگتا ہے۔ نظر آتا ہے کہ شمع ایک سائے کے ہاتھ میں ہے اور وہ پتھر کی سیڑھیوں سے بہت احتیاط سے اُتر رہا ہے۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔" کون ہو تم؟"

سایہ سیڑھیاں اتر کر قریب آتا ہے اور سیاہ کمبل اپنے جسم سے ہٹا کر شمع بلند کرتا ہے۔ تہ خانے میں خوشبو پھیل جاتی ہے۔

" ملکۂ عالیہ آپ؟" وہ اسے حیرت سے دیکھتا ہے۔

وہ مسکراتی ہے اس کا لباس دیکھ کر وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ نیلے رنگ کا اتنا مہین لباس کہ جیسے ایک شمع اور روشن اندھیرے تہ خانے میں۔

" ہم تمہیں بچانا چاہتے ہیں۔"

" کیوں؟"

" کیونکہ تم نے ہمیں مات دے دی ہے۔ ہم نے جب سے تمہیں دیکھا ہے ہمارے دل میں جیسے سارے سمندر آن گرے ہیں اور ان میں آگ لگ گئی ہے۔ تم ضرور کوئی ساحر ہو۔ تمہاری خوبصورتی نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہیں چُرا لیں۔"

" میں شاہی حکیم کی کتاب نہیں ہوں۔"

ملکۂ حسن مسکراتی ہے "وہ حکیم بہت بیوقوف ہے۔ وہ خود بھی خوبصورت بننے کی کوشش میں ہے۔ خیر...... ہم اس وقت تمہیں دیکھ رہے ہیں تو یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی داستان گو کوئی بہت پرانی داستان سنا رہا ہو اور تم شہزادۂ قاف کی طرح اچانک سامنے آگئے ہو"

"میں داستان گوئی کو بڑھاپے کا اظہار سمجھتا ہوں"

ملکۂ حسن مسکراتی ہے "تم بہت فیصلہ کن انداز میں بات کرتے ہو۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ خود اعتمادی ہے یا انانیت ..... ایک بات کہیں؟ اگر تم ہماری خواب گاہ کو منور کر دو تو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے"

وہ ملکۂ حسن کی طرف دیکھتا ہے "میں صرف اپنے کردار کی وجہ سے خوبصورت ہوں۔ میری خوبصورتی ایک لازوال فن کی طرح ہے جس کی میں خود عبادت کرتا ہوں"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ میں مجبور ہوں۔ میں بدصورتی کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا"

"ہمیں اور اچھی طرح دیکھ لو اس کے بعد کچھ کہو" ملکۂ حسن شمع کو اپنے جسم سے قریب لاتی ہے

"بے شک آپ سرتاپا بے حد خوبصورت ہیں لیکن میں جسم سے زیادہ روح کو اہمیت دیتا ہوں"

"تم انسان ہو یا فرشتے۔ تمہارے مرد ہونے پر ہمیں شک ہونے لگا ہے"

"میں اپنے مرد ہونے کا جواز پیش کر رہا ہوں"

"تم ہماری توہین کر رہے ہو۔ سنو، پاگل مت بنو۔ ہم سارے سمندر تم پر الٹ دیں گے"

"میں مجبور ہوں۔ گندگی اور خوبصورتی میں بہت فاصلہ ہے"

"یہ گندگی نہیں ہے" ملکۂ حسن کا چہرہ غصہ میں سرخ ہو جاتا ہے "تو ٹھیک ہے تمہیں کل پتہ چلے گا کہ تمہاری خوبصورتی کی حیثیت کیا ہے"

وہ کمبل اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف لپکتی ہے۔

دروازہ بہت زور سے بند ہوتا ہے۔

تہ خانے میں پھر اندھیرا پھیل جاتا ہے لیکن اسے نظر آتا ہے کہ پتھر کی سیڑھیوں پر جیسے کوئی

قوسِ قزح چمک اٹھی ہے اور ہزاروں ہاتھ اس میں سے ابھر کر حرکت کر رہے ہیں۔ پھر وہ دیکھتا ہے کہ تہ خانہ میں چاروں طرف آنکھیں ہی آنکھیں پھیل گئی ہیں۔ وہ مسکراتا ہے

"زندگی ــــــ زیادہ خوبصورت ہے۔ کانٹے پھولوں کی اہمیت میں اور اضافہ کرتے ہیں وہ پھولوں کی باڑھ کو نہیں روک سکتے ......"

تہ خانے کا دروازہ پھر چرچراتا ہے اور صبح کی روشنی سیلاب کی طرح اندر لپک آتی ہے۔ چند سپاہی سیڑھیوں پر کھٹ کھٹ بوٹ بجاتے ہوئے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک طنزیہ کہتا ہے۔

"گگبدن۔ چلو رقص کریں"

سب ایک ساتھ ہنس پڑتے ہیں۔ پھر اسے تہ خانے سے باہر نکالتے ہیں۔

"تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"تمہارے لئے سزا کا حکم جاری ہو چکا ہے" ایک سپاہی کہتا ہے۔

"کیا حکم ہے؟"

"درباری امرا نے تمہیں تیزاب سے غسل دینے کی سزا تجویز کی تھی لیکن ملکہ عالیہ نے تمہاری سزا طویل کر دی ہے۔ انھوں نے تمہیں زہریلے قید خانہ میں چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے"

"زہریلا قید خانہ؟"

"ہاں" سپاہی مسکراتا ہے "وہاں تمہاری ساری خوبصورتی اور انانیت میں چار چاند لگ جائیں گے"

"مجھ میں انانیت نہیں بلکہ خود اعتمادی اور اصول پسندی ہے۔ انانیت تو ملکہ حسن اور درباریوں میں ہے"

"گستاخ!" ایک سپاہی چیختا ہے۔

وہ اسے اپنے حلقے میں لیکر آگے بڑھتے ہیں۔ اونچی اونچی دیواروں کے درمیان سے گذرتے ہوئے وہ ایک لمحہ کیلئے پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے۔ دور اوپر محل میں ملکہ حسن کا چہرہ نظر آتا ہے اور نیچے فرش پر سپاہیوں کے دستے، درباری امرا کی قطاریں اور کنیزیں۔

سپاہی اسے آگے کھینچتے ہیں۔

قید خانہ کے قریب پہنچ کر سب رُک جاتے ہیں۔ پھر دروازہ کھول کر اسے نہایت تیزی کے ساتھ اندر دھکیل کر دروازہ فوراً بند کر دیتے ہیں۔

"گلبدن۔ تمہاری خوبصورتی کا تماشا دیکھنے کیلئے ہم کل ضرور آئیں گے۔"

اندر پہنچتے ہی وہ یکایک پسینہ میں شرابور ہو جاتا ہے۔

قید خانہ میں سینکڑوں رنگ برنگے سانپ پھن اٹھا کر اس کی طرف لپکتے ہیں۔

سرسراہٹ، پھنکار اور سائیں سائیں کی آوازیں۔

وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے

اور محسوس کرتا ہے کہ اس کے جسم پر جیسے پھولوں کی بارش ہو رہی ہے اور پورے قید خانہ میں نغمگی سی ہے۔

صبح قید خانہ کا دروازہ پھر کھلتا ہے۔

ملکہ حسن کی چیخ نکل جاتی ہے۔ وزیر، سپہ سالار اور سپاہی وغیرہ ششدر رہ جاتے ہیں۔ سب دیکھتے ہیں کہ وہ قید خانہ میں صحیح سلامت موجود ہے۔

وہ مسکراتا ہوا قید خانہ سے باہر آتا ہے۔

وزیر سپہ سالار سے سرگوشی کرتا ہے "کہیں یہ انسان کے روپ میں شیش ناگ تو نہیں؟"

"تم زندہ کیسے بچے؟" ملکہ حسن حیرت سے کہتی ہے۔ "کہیں یہ تمہاری خوبصورتی کا طلسم تو نہیں؟"

"طلسم؟" وہ مسکراتا ہے "میری خوبصورتی کا طلسم تو میری خود اعتمادی ہے جس کی وجہ سے اس سرزمین پر میں نے رشک و تعصب کا اتنا زہر پیا ہے کہ اب مجھ پر کوئی بھی زہر اثر نہیں کرتا۔"

ملکہ حسن کی نگاہ قید خانہ کی طرف اٹھتی ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ وہاں تمام زہریلے سانپ مرے پڑے ہیں۔

مسمار شدہ عمارت میں منی پلانٹ

روشنی سے جگمگاتی ہوئی شام دل پر ایک تلوار کی طرح گری۔
اُس نے صاف طور سے دیکھا کہ اس کا شوہر للی کے گلدستے کی طرح ایک نازک لچکتی ہوئی لڑکی کے ساتھ ایک جیولرس شاپ میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ اس لڑکی کا رنگ چمپا کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس نے اپنے بھورے بالوں میں ایک سفید گلاب لگا رکھا تھا اور اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اُس مجموعۂ گل کے ساتھ اس کا شوہر بہت خوش اور چہکتا ہوا لگ رہا تھا ـــــ اس کا جی چاہا کہ اسے آواز دے، اسے روکے، مگر یوں لگا جیسے یہ منظر اس کے جسم کے آر پار ہو چکا ہے اور اب اس میں لب کھولنے کی بھی قوت نہیں ہے۔ کوئی عمارت اس کے اندر مسمار ہو رہی ہے۔ دیواریں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو رہی ہیں۔ ملبہ کا ڈھیر لگ رہا ہے اور اس ملبہ میں وہ سر سے پاؤں تک ایک حساس دل کی طرح دھڑک رہی ہے۔
صبح اس نے اپنے شوہر سے کہا "رات تم بہت دیر سے گھر واپس آئے تھے؟"
"ہاں، اسٹوڈیو میں بہت رش تھا۔ بہت سے فوٹو تیار کرنے تھے۔ میں جب آیا تو تم سو چکی تھیں۔"
"اُس مجموعۂ گل کا فوٹو تیار کیا؟"
"کون مجموعۂ گل؟" اس کے شوہر نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔
"وہی جو اپنے بھورے بالوں میں سفید گلاب لگائے ہوئے تھی۔"
"سفید گلاب..... کیسا سفید گلاب؟ مجھے لگ رہا ہے کہ کچھ دنوں سے تم خوابوں کی دنیا

میں رہنے لگی ہو۔ کبھی مجموعۂ گل کی بات کرتی ہو، کبھی جنگلی پھولوں کے گچھوں کی، کبھی کچھ، کبھی کچھ اور۔ دیکھو اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ زیادہ سوچنا بند کر دو۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مگر میں نے تمہیں کل شام میں اس لڑکی کے ساتھ ایک جیولرس شاپ میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"تمہیں دھوکہ ہوا ہے اور ایسا دھوکہ تمہیں بار بار ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم بہت دنوں سے مجھ پر شک کر رہی ہو۔ شک بہت سارے ہیولے بھی تراش لیتا ہے۔"

"تو کیا میں نے جو کچھ دیکھا تھا سب جھوٹ ہے؟"

"ہاں۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں کسی اور لڑکی کی طرف دیکھوں، یہ ناممکن ہے۔ کل رات میں گیارہ بجے واپس آچکا تھا۔ چاہو تو ملازمہ سے پوچھ لو۔"

وہ یقینی اور بے یقینی کی حد میں پانی پر تیرتے ہوئے پھول کی طرح بہت دور چلی گئی۔ اتنی دور کہ آبشار کی گونج اور سمندر کی لہروں کا شور سنائی دینے لگا۔ پھر احساس ہوا کہ واقعی اسے دھوکہ ہوا ہے۔ وہ منظر تو اس نے بہت دور سے دیکھا تھا۔ یہ سوچ کر وہ مسرور ہو گئی۔ باہر دیکھا تو منی پلانٹ کے پتے دھوپ میں سبز شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ فوراً باہر گئی اور گملے میں سے ایک سفید گلاب توڑ کر بالوں میں لگا لیا مگر جب آئینہ پر اچٹتی سی نظر ڈالی تو ہونٹوں سے چیخ سی نکل گئی۔ آئینہ میں وہی لڑکی نظر آئی۔ مجموعۂ گل۔

بدن میں لرزہ سا آگیا۔ لگا کہ پھر کوئی عمارت منہدم ہو گئی ہے، مگر جب دوبارہ آئینہ کی طرف دیکھا تو محسوس ہوا کہ نہیں! عمارت موجود ہے۔ آئینہ میں اسے اپنا ہی چہرہ نظر آیا۔ حیرت زدہ سا۔

"میں یقیناً وہم میں مبتلا ہوں۔" اس نے سوچا۔ "آئندہ ایسی کوئی بات نہیں سوچوں گی جس سے اس عمارت کو نقصان پہنچے۔ اب میں اس عمارت کے سارے جالے صاف کر دوں گی۔ مجموعۂ گل یا جنگلی پھولوں کے گچھوں کیلئے میری سوچ کا دریچہ ہمیشہ کیلئے بند۔ کھٹاک!"

مگر چند دنوں بعد اس نے پھر دیکھا کہ مارکیٹ میں اس کا شوہر ایک بھرے بھرے بدن والی لڑکی کے ساتھ تھا جو فیروزی میکسی میں تھی اور اس کے ہاتھ میں فیروزی ہی رنگ کا پرس تھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر اس نے اپنی دلخراش چیخ روکنے کی کوشش کی۔ دونوں بھیڑ میں اس سے کافی فاصلے پر

تھے۔ وہ تیز تیز آگے بڑھنے لگی۔ پھر اس نے آواز دی۔

"ذرا سنئے ذ"

اس کے شوہر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، مگر نظریں ملتے ہی گھبرا کر اجنبیوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور اچانک اس لڑکی کا ہاتھ کھینچ کر کسی دوکان یا گلی میں گھس گیا۔

وہ کافی دیر تک لسے وہاں تلاش کرتی رہی، پھر احساس ہوا کہ سوچ کا دریچہ پھر کھل گیا ہے۔ زمین پھٹ گئی ہے۔ ستارے چیخ گئے ہیں اور سارا منظر آگ کے ایک بھنور کی طرح اس کے گرد گشت کر رہا ہے۔ زن زن...... زن زن...... وہ اپنے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو سنبھالنے لگی، مگر احساس ہوا کہ وہ راکھ ہو رہی ہے اور چاروں سمت بہت گہرا اندھیرا پھیل رہا ہے۔ وہ بلیک ہول کے کسی حصہ میں ہے ..... زن زن کرتا ہوا جہنم .....

صبح اس نے نہایت بھرائی ہوئی آواز میں اپنے شوہر سے کہا۔

"اب کیا کہتے ہو اپنی صفائی میں۔ کل میں نے پھر تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اتنے بڑے بہروپیے ہو۔"

"یہ سب کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"ہوں خوب! انجان بننے کی کیا اداکاری کر رہے ہو۔ مگر یاد رکھو میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔ کل تم دونوں بچ گئے۔ ورنہ مارکیٹ میں ہی تم دونوں کے گریبان پکڑ لیتی۔"

"کون دونوں؟"

"تم اور وہ فیروزی میکسی والی۔"

"فیروزی میکسی والی؟ تم ہوش میں ہو کہ نہیں۔" اس کے شوہر نے حیرت سے کہا۔

"بے شک میں ہوش میں ہوں۔ کل میں نے تمہیں آواز بھی دی۔ تم نے مجھے دیکھا بھی، مگر چوروں کی طرح اس فیروزی گٹھری کو لے کر بھاگ گئے۔ آخر تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔ مجھ میں ایسی کون سی کمی ہے جس کی وجہ سے تم ......"

"یہ سب جھوٹ ہے۔" اس کا شوہر غصہ میں کھڑا ہو گیا۔ "تم کتنے دنوں سے مجھ پر جھوٹے

الزام لگا رہی ہو۔ میں کہاں تک برداشت کروں۔ کل دن بھر میں اسٹوڈیو سے باہر نکلا ہی نہیں، اور تم کہہ رہی ہو......"

"یہ سب بہلانے بازی ہے۔ تم کتنے دنوں سے مجھے فریب دے رہے ہو۔ کتنے جھوٹے ہو تم۔ آنکھوں دیکھی ہوئی بات کو بھی جھٹلا رہے ہو۔ کاش یہ جانتے کہ میں تم سے کتنا پیار کرتی ہوں۔" اس کے آنسو بہہ نکلے۔

اس کا شوہر کچھ سوچ کر نرم پڑ گیا "میرا خیال ہے تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔ ممکن ہے وہ کوئی اور ہو۔ میرا ہم شکل ـــــ مگر یقین جانو وہ میں نہیں تھا۔"

"یہ سب بکواس ہے۔ تمہارا ہم شکل کہاں سے پیدا ہو گیا اس شہر میں۔ آج میں آخری بار کہہ رہی ہوں۔ اگر اب تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو میں تم سے ہمیشہ کیلئے علاحدہ ہو جاؤں گی۔"

"مجھے تمہاری باتوں پر سخت حیرت ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ زیادہ سوچنا بند کر دو۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ پھر شاید ایسا کوئی منظر تم نہیں دیکھ سکو گی۔"

"تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں نفسیاتی مریض ہوں۔" وہ اسے گھورنے لگی۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے تمہاری ہم زاد تمہیں مجھ سے بدگمان کر رہی ہے۔"

"ہم زاد؟" وہ چونک اٹھی۔ "بکواس مت کرو۔ یہ نیا شوشہ چھوڑ رہے ہو تم۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟" اس کا شوہر جھنجھلا گیا۔ "یہ کیسا ڈرامہ ہو رہا ہے؟"

"اس ڈرامے کے سب سے بڑے ایکٹر تم ہو۔"

وہ غصہ میں دوسرے کمرے میں چلی گئی اور آرام کرسی پر بے سدھ نیم دراز ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ذہن بہت دور تک چلا گیا۔ "جنگلی پھولوں کا گچھا۔ مجموعہ گل۔ فیروزی گھری۔ بلیک ہول۔ مسمار شدہ عمارت۔ ہم زاد۔ کتنا پُراسرار ہو گیا ہے اس کا شوہر...... ناقابلِ اعتماد...... لیکن یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ کیا مجھ میں کوئی کمی ہے۔ کیا مرد فطرتاً بے وفا ہے۔ فوٹو گرافر۔ لوہے کا آدمی۔ اور میں جیسے ایک منی پلانٹ۔ دھوپ اور تازہ ہوا کے بغیر بھی زندہ۔ شیشے کے گلدان میں قید۔ پھولوں سے محروم۔ ایک اکتا دینے والے سفر کا استعارہ۔ یہ استعارہ ایک ستارہ ہے مقدر کا۔ میں تو اپنے دل میں، اپنی آنکھوں میں،

اپنی روح کی گہرائیوں میں بہت سارے خوابوں کے خزانے بھر کر لائی تھی ......

اور اس نے دیکھا کہ تاریک غار میں ایک مشعل جل رہی ہے۔ اِدھر اُدھر مکڑی کے جالے جھول رہے ہیں۔ بہت اُوپر چمگادڑوں کا شور ہے اور سامنے بہت بڑا خزانہ بکھرا پڑا ہے، جو مشعل کی روشنی میں چم چم کر رہا ہے۔ سونا، چاندی، نیلم، یاقوت، موتی اور سنہرے سکوں کا دُور تک پھیلا ہوا ڈھیر۔ لیکن اس ڈھیر پر کئی زہریلی ناگنیں سرسرا رہی ہیں۔

"یہ ناگنیں یہاں بھی آگئیں ؟"

اس نے غصہ میں سینڈل اتار کر پوری طاقت سے ایک ناگن کو نشانہ بنایا۔ پھر دوسرا سینڈل بھی پھینک مارا، مگر وہ بھی خزانے کا حصّہ ہو گئے۔ ناگنیں بدستور رینگتی رہیں۔

"اُف۔ سینڈل بھی گیا" وہ بڑبڑائی "بھلا سینڈل سے کہیں ناگنیں مرتی ہیں ....."

اچانک ناگوں نے اس کی طرف رخ کیا اور پھن اٹھا کر لپکیں ـــــ وہ گھبرا کر ننگے پاؤں غار میں بھاگنے لگی۔ مشعل کی روشنی کہیں ختم ہو گئی۔ وہ اندھیرے میں بھاگتی رہی۔ اچانک آگ کے شعلے چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے اور اس نے محسوس کیا کہ وہ بلیک ہول میں داخل ہو چکی ہے۔ لاتعداد آگ کے بھنور اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ زن زن ..... زن زن ....

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں اِدھر اُدھر تجسّس انداز سے دیکھا، پھر اس کی نظر باہر گئی۔ سفید گلاب کے قریب منی پلانٹ۔

"اب فیروزی لگھری ہو یا مجموعۂ گل ...... میں سب کو سربازار رسوا کروں گی۔ کچھ عمارتیں اب میں بھی مسمار کروں گی"

نہایت خود اعتمادی کے ساتھ اس نے ملازمہ کو آواز دی کہ چائے تیار کرے اور میز سے ایک رسالہ اٹھا کر اطمینان سے اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر گنگنانے لگی: "آ پڑی یہ ایسی چنگاری کہ پیراہن جلا" ......

دس بارہ دن بہت اطمینان سے گذر گئے۔ کوئی بھی قابلِ گرفت بات سامنے نہیں آئی۔ وہ خوش ہو گئی کہ اس کا شوہر تبدیل ہو رہا ہے، اس کے انداز میں فرق پیدا ہو رہا ہے، وہ پھر دُھلا دُھلا

سا لگ رہا ہے۔ لیکن ایک منظر پھر آنکھ سے ٹکرا گیا۔
وہ بذاتِ خود آگ کے محور کی طرح گردش کرنے لگی۔
اس نے دیکھا کہ اس کا شوہر مجموعۂ گل کے ساتھ ایک سینما ہال سے باہر نکل رہا تھا۔
صبح اس نے نہایت سنجیدگی سے بات شروع کی۔
"کل رات تم پھر دیر سے گھر آئے تھے۔"
"ہاں۔"
"کیوں؟"
"ایک شادی کی تقریب میں کمپرے کے ساتھ مدعو تھا۔"
"ہوں" اس نے اپنے شوہر کی طرف غور سے دیکھا "مجموعۂ گل کا اصل نام کیا ہے؟"
اس کا شوہر چونک گیا "یعنی کہ تم پھر بہکی بہکی باتیں چھیڑ رہی ہو......"
"مجھے اس کا نام اور گھر کا پتہ بتاؤ۔"
"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ تمہارے ذہن کی پیداوار ہے وہ، اس کا پتہ کہاں سے لاؤں؟"
"کیا کل تم اس کے ساتھ پکچر نہیں گئے تھے؟"
"بکواس مت کرو۔ اس طرح کی باتوں سے تم زبردستی تعلقات خراب کر رہی ہو۔"
"میں نے اس کے ساتھ تمہیں سینما سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"
اس کے شوہر نے اس کی طرف تحیّر سے دیکھا "کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ میں ہی تھا؟"
"ہاں —— یاد رکھو جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا۔"
"یہ کس وقت کی بات ہے؟"
"میں نے اپنی گھڑی دیکھی تھی۔ اس وقت شب کے ساڑھے نو بجے تھے۔"
"ساڑھے نو؟" اس کا شوہر مسکرایا "مگر جب میں دس بجے گھر آیا تو لازمہ سے مجھے پتہ چلا کہ تم نو بجے ہی سو گئی تھیں۔"

"کیا مطلب!؟" وہ چونک اٹھی۔ "لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دیکھا تھا؟"
"ہاں۔ لیکن یہ مت بھولو کہ اس وقت تم اپنے کمرے میں سو رہی تھیں؟"
وہ گھبرا گئی۔ ہاتھ پاؤں کپکپانے لگے۔ دل میں ایک ہیجان سا محسوس ہوا۔ "آخر یہ سب کیا ہے؟"
اس کے شوہر نے سنجیدگی سے کہا۔
"صاف ظاہر ہے کہ تم رات میں میرے بارے میں خواب دیکھتی ہو اور صبح اٹھ کر مجھ سے جھگڑا کرتی ہو۔ یہ ایک نفسیاتی مرض ہے۔ سارا قصور تمہارے خوابوں کا ہے؟"
وہ پتھر کے بت کی طرح خاموش رہی ——— پھر نڈھال ہو کر سونے پر دراز ہو گئی۔ ذہن اُڑنے لگا۔ آنکھوں میں طرح طرح کے منظر گڈمڈ ہونے لگے۔ "یہ کیسا طلسم ہے؟ سارے ثبوت ہاتھ سے نکل گئے۔ سارے الزام مجھ پر پلٹ آئے۔ تو کیا میں نے سب خواب دیکھے تھے۔ کیا وہ سب جھوٹ تھا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ خواب میں اور حقیقت میں بہت فاصلہ ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ میرے گرد یہ کیسا حصار ہے ——— ؟ یہ وہم، شک، ہم شکل، ہم زاد اور اب خواب۔ یہ سب سچائی پر پردہ ڈالنے کے مختلف انداز ہیں۔ میں ہرگز پُراسرار نہیں۔ سب کچھ میں نے بہ ہوش و حواس دیکھا ہے۔ میں روح کی گہرائیوں تک سچ ہوں۔ ایک جلتی ہوئی تلوار پر چل رہی ہوں۔ مگر اس گھر کی عبادت میں مصروف ہوں۔ میں اگر چاہوں تو اس رشتے کو ٹھوکر مار سکتی ہوں۔ خود بھی گمراہ ہو سکتی ہوں، مگر یہ رشتہ تو میری اپنی تکمیل ہے۔ جان سے زیادہ عزیز، روح کی اتھاہ گہرائیوں میں چمکتا ہوا جگنو ہے یہ رشتہ۔ مگر یہ خواب کہاں سے در آئے؟"
اور اس نے محسوس کیا کہ اس کے اندر کافی شور ہے۔ جیسے تاریک رات ہو۔ سمندر میں پُرجوش طوفان ہو اور سارے بادبان پھڑپھڑا رہے ہوں۔
وہ کئی دن خود کو سنبھالنے میں شکستہ رہی ——— کیفیت بدلنے کیلئے زیادہ وقت پرانی دوستوں کے ساتھ گذارنے لگی۔ اندازہ ہوا کہ اس طرح وہ کچھ طمانیت سی محسوس کر رہی ہے۔ اسے کچھ سکون حاصل ہو رہا ہے۔ درد میں کچھ کمی سی ہو رہی ہے۔ منی پلانٹ کے پتے دھوپ میں از سرِ نو سبز کانچ کی طرح چمکنے لگے ہیں۔

ایک دن جب وہ اپنی ایک دوست کے ساتھ پارک سے واپس آرہی تھی تو فٹ پاتھ کے ہجوم میں اس کی نظر آگے جاتی ہوئی ایک لڑکی پر پڑ گئی۔ وہ حیرت زدہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"جلدی چلو ——— میں اس لڑکی کا چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں" اس نے اپنی دوست سے کہا۔

"کیوں، کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"نہیں ——— یونہی"

دونوں تیزی سے بڑھیں۔

وہ کانپنے لگی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔

اور جب اس نے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا تو یوں لگا جیسے آس پاس کی ساری عمارتیں اس پر آگری ہوں۔ یہ لڑکی وہی تھی جسے اس نے اپنے شوہر کے ساتھ دیکھا تھا۔ فیروزی لباس اور ہاتھ میں فیروزی پرس...... فیروزی گلہری!

گھر پہنچتے پہنچتے دماغ چکنا چور ہو گیا "خواب حقیقت ہے یا حقیقت خواب۔ کون کہتا ہے کہ خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔ کون کہتا ہے کہ خواب کا حقیقت سے کوئی رشتہ نہیں۔ میں سچائی پر ہوں۔ مجھے کوئی مغالطہ نہیں۔ یہ شک، وہم، ہم شکل، ہمزاد، نفسیاتی مرض، سب اختراع ہے۔ سارے ثبوت میرے پاس واپس آچکے ہیں۔ اب مجھے کون جھٹلا سکتا ہے؟ ہونہہ! تم رات میں خواب دیکھتی ہو اور صبح اٹھ کر مجھ سے جھگڑا کرتی ہو......"

رات میں گیارہ بجے کے بعد جب اس کا شوہر واپس آیا تو اس نے پُر اعتماد لہجہ میں کہا۔

"آج میں نے دن میں اس فیروزی گلہری کو دیکھا ہے"

وہ پہلے تو چونک گیا پھر اس نے مسکرا کر کہا "اچھا تو اب تم دن میں بھی خواب دیکھنے لگیں۔ لیکن میں تو ایسی کسی لڑکی کو نہیں جانتا"

"اس کے سوا اور کیا کہو گے، مگر یاد رکھو......"

بدن میں گھومتا ہوا آگ کا بگولہ ہونٹوں تک آگیا اور وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کافی دیر بعد اس کے شوہر نے قریب آکر کہا۔

"دیکھو، مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر کوئی لڑکی تمہیں خواب میں نظر آگئی۔ اور پھر تم نے اسے حقیقت میں بھی دیکھ لیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا اس لڑکی سے کوئی تعلق ہو۔ ممکن ہے اس لڑکی کو تم نے پہلے کہیں بے خیالی میں دیکھا ہو اور بعد میں وہ تمہیں خواب میں نظر آگئی ہو۔ عموماً ایسا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم دن بھر جو کچھ دیکھتے ہیں، محسوس کرتے ہیں، سوچتے ہیں یا ہمارے لاشعور میں جو پرچھائیاں ابھرتی ڈوبتی ہیں، خواب کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔"

وہ خاموش رہی۔

"میری باتوں پر یقین کرو۔ تمہیں مسلسل مغالطہ ہو رہا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا تم زیادہ سوچنا بند کرو۔ اپنی صحت کا خیال رکھو۔ تمہاری حالت دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ ورنہ ایک دن تم پاگل ہو جاؤ گی۔ پلیز اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرو۔ سارے وہم دل و دماغ سے نکال دو۔"

وہ خاموش، دیوار پر جالے تانتی ہوئی مکڑی کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے دیکھا کہ جالے کے پیچھے ایک مسمار شدہ عمارت میں خزانہ بکھرا پڑا ہے جس پر کئی ناگنیں سرسرا رہی ہیں۔

چند دنوں بعد شام میں اچانک اس کے چہرے سے جیسے آگ کی لپٹیں نمودار ہوئیں اور وہ جلدی جلدی لباس تبدیل کرکے باہر آئی، ایک ٹیکسی رکوائی اور ——— اسٹوڈیو پہنچ گئی۔

باہر ایک لمحہ رک کر اس نے اندر سے آتی ہوئی آوازوں کو سننے کی کوشش کی۔ پھر تیزی سے اندر پہنچ گئی۔

اس کا شوہر چونک اٹھا۔ سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی لڑکی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجموعہ گی:" اس نے لڑکی کی طرف وحشتناک نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "دوسرے کے خزانے پر رینگتی ہوئی ناگن، آج میں تمہارا سارا زہر نکال دوں گی۔"

اتنا کہنے کے بعد وہ اس لڑکی پر جھپٹ پڑی اور چند لمحوں میں ہی اسے لہولہان کردیا۔

اسٹوڈیو کا فرنیچر الٹ پلٹ گیا۔ لڑکی ہانپتی کانپتی دروازے کی طرف بھاگی۔ وہ بھی اس کے پیچھے لپکی، مگر اس کے شوہر نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"سنو تو پلیز!"

وہ دہکتی ہوئی آنکھوں سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگی۔ "لوہے کے آدمی۔ فوٹو گرافر!"

اور اس نے محسوس کیا کہ پورا اسٹوڈیو آگ کے بھنور کی طرح اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ زن زن ..... زن زن..... اور وہ اپنے جسم سے نکل کر گھر کی طرف جا رہی ہے جہاں شیشے کے گلدان میں منی پلانٹ کے پتے، سبز ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔

اس پر غنودگی طاری ہونے لگی لیکن اس نے سر کو زور سے جھٹک دیا اور دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ پھر اس نے پلٹ کر اپنے شوہر کو آر پار دیکھا اور صرف ایک جملہ کہا۔

"بعض رشتے روح بن کر تعاقب کرتے ہیں۔"

وہ گھر کی طرف چلنے لگی۔

محسوس ہوا کہ مسمار شدہ عمارت کی ہر اینٹ اس کے قدموں کو چوم رہی ہے۔

سایہ

کبھی کبھی ماضی اچانک سامنے آگ آتا ہے۔

آج عرصہ بعد اُسے دیکھا تو یہی محسوس ہوا ——

وہ کافی دیر سے ڈرائنگ روم میں میرے سامنے موجود ہے اور جب سے وہ میرے سامنے ہے میرا ذہن ماضی کی چھتنار شعاعوں سے منوّر منور ہے۔ بہت سارے مناظر حصار باندھ کر گشت کرنے لگے ہیں۔ بہت سی آوازیں آنے لگی ہیں۔ درد کے بہت سارے دریچے کھل گئے ہیں۔ لگتا ہے کہ میں روح کی گہرائیوں تک جاگ اٹھا ہوں، اور لوگ کہتے ہیں کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے والا پتھر کا ہو جاتا ہے۔

میں اس سے کہتا ہوں "دوست! آج تم اپنے ساتھ ماضی کی بارات لیکر آئے ہو۔ میں اپنے اندر بہت دھوم دھڑا کا محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں ہم تم کھیل کود، پڑھائی لکھائی، دھوم مستی غرض کہ ہر معاملہ میں اپنی مثال آپ تھے"۔

وہ مسکراتا ہے —— "لیکن آج تو ہماری مثالیں الگ الگ ہیں۔ میرے اور تمہارے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ در آیا ہے۔ تمہارے پاس زمین، کارخانے، عمارات، کاریں اور لازم وغیرہ سبھی کچھ ہیں اور میرے پاس خانہ بدوشی، حادثات، تکلیفیں، بیماریاں اور تنگ دستی!"

میں نگاہیں اٹھا کر سامنے کی دیوار پر آویزاں اپنے ماں باپ کی تصویروں کو دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کاش وہ اس وقت میرے ساتھ ہوتے۔ میری خاطر انھوں نے کتنی تکلیفیں برداشت کیں، کتنی قربانیاں دیں۔ افسوس کہ وہ اچھے دن نہیں دیکھ سکے۔ انھوں نے صرف بُرے دن دیکھے

اور رخصت ہو گئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔ مگر یہ صرف میں جانتا ہوں کہ یہ کارخانے، عمارات اور زمینات وغیرہ سب انھیں کی تربیت اور دعاؤں سے مجھے حاصل ہوئی ہیں۔

میں اس سے کہتا ہوں "مگر یہ تو بتلاؤ، تم اتنے عرصہ کہاں غائب رہے، کیا کرتے رہے؟ کیا تمہیں خبر ہے کہ ہم لگ بھگ تیس سال بعد ملے ہیں"

وہ ٹیبل پر انگلی سے لکیریں کھینچتا ہوا بہت دکھ بھرے انداز میں کہتا ہے "اپنے خاندان کے لئے میں نے خانہ بدوشی کی زندگی اختیار کی۔ مختلف شہروں میں بہت محنت مشقت کی۔ دن رات جدوجہد میں لگا رہا۔ ملازمت بھی کی، تجارت بھی کی لیکن اس کے بعد بھی ترقی نہیں کر سکا بلکہ اور بھی حواس باختہ ہوا۔ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ یہ سب قسمت کا کھیل ہے"......

مجھے ہنسی آجاتی ہے "یہ سب قسمت کا کھیل نہیں، بلکہ قسمت تو وہ شئے ہے جس سے ہم جس طرح چاہیں کھیلتے ہیں ——"

"لیکن میں نے جدوجہد کی ہے"

"ہر چیز اجتہاد سے حاصل نہیں ہوتی" میں مسکراتا ہوں "اور بھی بہت سارے ذرائع ہیں۔ اگر کوئی سونے کی انگوٹھی تالاب میں گر گئی ہو تو ضروری نہیں کہ اس کے لئے پورا تالاب خالی کیا جائے۔ وہ دوسری طرح سے نہایت آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے"

"دوست، انگوٹھی اور قسمت میں فرق ہے" وہ مسکراتا ہے۔

"میں قسمت کو انگوٹھی سمجھتا ہوں" مجھے ہنسی آجاتی ہے۔ اور پھر یاد آتا ہے کہ بچپن میں ایک بار میری تانبے کی انگوٹھی گم ہو گئی تھی تو اس حقیر انگوٹھی کے لئے میرے ماں باپ دونوں نے گھر کا کونا کونا چھان مارا تھا اور آخر دالان میں پڑے ہوئے کچھ پتھروں کے نیچے سے اسے ڈھونڈ نکالا۔ وہ انگوٹھی اگرچہ آج میری انگلیوں کے قابل نہیں ہے لیکن میں نے اسے بہت سنبھال کر رکھی ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ میرا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ ساری دولت اس تانبے کی انگوٹھی کے سامنے ہیچ ہے۔

وہ کھڑکی پر لہراتے ہوئے پھولدار رنگین پردوں کی طرف کچھ لمحے دیکھتا رہتا ہے، پھر کہتا

ہے "ایک بات پوچھوں؟ بھئی تم نے اتنا سرمایہ کیسے اکٹھا کرلیا۔ مجھے تو یہ سب دیکھ کر بہت حیرت ہو رہی ہے۔ یاد ہے، کبھی ہم دونوں کے والد ایک ہی فرم میں ملازم تھے۔ پھر ہم دونوں کی کہانیوں میں اتنا فرق کیسے آگیا؟"

میں کہتا ہوں ـــــ "کہانیاں بھی پیڑ پودوں کی طرح ہیں کہ ان میں بے شمار شاخیں ہوتی ہیں۔ جڑیں، تنے، پھول، پتے، کانٹے اور ثمر ـــ جو پیڑ اپنی جڑیں زیر زمیں بہت دور تک دراز کر دیتے ہیں وہ جلد بانجھ نہیں ہوتے اور کچھ پیڑوں کی جڑوں کے سامنے سنگلاخ زمین آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ زرخیزی کی جانب سفر نہیں کر پاتیں ـــــ خیر چھوڑو، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سرمایہ کوئی بھی اکٹھا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس نے اپنی صلاحیت کے مطابق صحیح لائین اختیار کی ہو۔ شاید تمہیں تعجب ہوگا کہ میرے پاس اتنا سب کچھ ہو کر بھی میں خوش نہیں ہوں۔ مجھے کسی چیز کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ میں اپنے اندر کوئی بہت بڑا غم محسوس کر رہا ہوں۔۔۔۔۔۔"

"کون سا غم؟"

"کچھ غم ایسے ہوتے ہیں جو صرف سہے جا سکتے ہیں بیان نہیں کیے جا سکتے۔" میں کھڑکی سے باہر جھومتے ہوئے گلاب کے پھول کو دیکھتا ہوں تو ایک مہکتا ہوا گلابی منظر یاد آجاتا ہے۔

میں ایک ننھا منا سا بچہ ہوں اور اپنے والد کے کاندھے پر بیٹھا ہوا انتہائی بھرے پُرے میلہ سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ پُر شور، مسرور، رنگین اور جھومتا ہوا میلہ۔۔۔۔۔ طرح طرح کے لوگ۔ کھیل کود۔ نٹ کے تماشے۔ باجے گانے۔ مٹھائیاں۔ غبارے پھرکیاں۔ کھلونوں کی دوکانیں۔ میری ماں بھی ساتھ میں ہے۔ وہ مجھے باپ کے کاندھے پر بیٹھا دیکھ کر بہت خوش سی ہے۔ اس کی آنکھوں میں ستارے سے چمک رہے ہیں۔۔۔۔۔ ایک ہنڈولہ کے قریب رک کر وہ مجھے اس میں بٹھانا چاہتے ہیں مگر میں ڈر جاتا ہوں اور ضد کرتا ہوں "پپا تم بھی بیٹھو نا!" مجبوراً میرے ساتھ ماں باپ بھی اس ہنڈولہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ہنڈولہ اوپر اٹھتا ہے۔۔۔۔۔ اور اوپر۔۔۔۔ اور پھر نیچے غوطہ لگاتا ہے۔ ہم سب بہت خوش ہوتے ہیں اور پھر لگاتار چکر۔ چکر۔ والد صاحب دل کے مریض ہیں۔ بہت پرانے مریض۔ لیکن میری خوشی کی خاطر وہ اس ہنڈولہ میں بیٹھ گئے ہیں جو ان کے لئے بے حد تکلیف دہ اور خطرناک ہے۔ جو موت کی

پائی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن وہ مجھ پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دے رہے ہیں۔ بار بار ہونٹ بھینچ لیتے ہیں۔ دل پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں مگر میری ہی طرح ہنس رہے ہیں۔

"ایسا لگ رہا ہے کہ تم کچھ سوچ رہے ہو۔" وہ میری طرف غور سے دیکھتا ہے۔

میں اچونک اٹھتا ہوں۔ "ہاں! ـــــ میں بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ اس مقام پر جہاں مجھ سے آگے کچھ نہیں ہے۔ سب کچھ میرے پیچھے ہے۔"

وہ شاید میری بات سمجھ نہیں پاتا۔ مسکرا کر کہتا ہے۔ "تم واقعی بہت آگے ہو چکے ہو۔ تمہارے پاس کسی شئے کی کمی نہیں اور ایک میں ہوں کہ کرائے کے مکان میں رہتا ہوں۔ مقروض ہوں۔ اپنے بچوں کی کتابوں بیاضوں کیلئے بھی مجھے قرض لینا پڑتا ہے۔ تم واقعی بہت خوش قسمت انسان ہو۔"

"یعنی کہ پھر وہی قسمت کی بات۔ ارے بھئی ابھی کچھ دیر پہلے میں نے قسمت کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ ...... خیر جانے دو۔ کوئی سنے گا تو سوچے گا کہ بہت ترقی پسند ہو گیا ہے۔ دراصل جدوجہد کئی طرح کی ہوتی ہے۔ ایک مثبت اور دوسری منفی ......" مجھے بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ "تم تو جانتے ہو کہ انسان کا دماغ کتنا عظیم ہے اور اس کے ہاتھ کتنے دراز۔ لیکن یہ بھی ضرور کہوں گا کہ جو ہاتھ ناجائز طور سے دراز ہوتے ہیں وہ انسان کے ہاتھ نہیں بلکہ کرگس کے ہاتھ ہیں۔"

"کرگس کو ہاتھ نہیں ہوتے۔" وہ ہنس دیتا ہے۔

"اس کے ہاتھ ہیں دکھائی نہیں دیتے۔" میں مسکراتا ہوں۔" وہ صرف اپنی آنکھ، پیٹ اور چونچ کو ہمارے سامنے نمایاں کرتا ہے ...... دوست آج تم ماضی کی بارات لیکر آئے ہو۔ ماضی جو یادوں کا جھومتا ہوا موسم ہے۔ جو کبھی کبھی بچّہ کے ہاتھ کے سکّہ کی طرح کھو جاتا ہے مگر کہیں نہ کہیں پھر چمک اٹھتا ہے۔ مجھے یاد ہے ایک دن جب شہر کی ندی میں سیلاب آیا تھا اور ہم تیراکی کے شوق میں کود پڑے تھے۔ اس وقت اگر تم نہ ہوتے تو شاید میں بھی ندی کا حصّہ بن جاتا۔ میری بھی کہانی ختم ہو جاتی ...... یاد ہے نا؟"

"ہاں مجھے یاد ہے لیکن اگر میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی وہی کرتے۔"

بے شک، دوست وہی ہوتا ہے جو دوست کیلئے اپنی جان پر کھیل جائے۔ لیکن پیارے تم نے اپنے برے دنوں میں مجھے یاد کیوں نہیں کیا۔ تمہاری باتیں سن کر مجھے بڑا افسوس ہو رہا ہے۔ قسمت کے جال میں پھنس گئے تھے نا۔ اس چکر سے اب نکل جاؤ۔ میں اسے ایک ذہنی بیماری سمجھتا ہوں ایک ایسی بیماری ...."

اور اچانک میں دیکھتا ہوں کہ میں بے حد بیمار پلنگ پر پڑا ہوں۔ گھڑی میں رات کے تین بجے ہیں۔ والد صاحب قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئے ہیں اور میری ماں میرے سرہانے بیٹھی میرا سر دبا رہی ہے، مجھے تھپک رہی ہے۔ وہ خود بہت تھک چکی ہے۔ اس کی آنکھیں کئی رات سے جاگی ہوئی ہیں اسے بار بار نیند کے جھکولے آ رہے ہیں مگر وہ سر کو جھٹک دیتی ہے۔

"دوست تم کہاں کھو گئے؟" وہ مجھے آواز دیتا ہے۔

"نہیں میں کھویا نہیں، بلکہ جو کھو گئے ہیں انھیں اور بھی قریب سے دیکھ رہا تھا۔ اچھا ایک بات بتلاؤ۔ تمہارے ماں باپ کیسے ہیں، کس حال میں ہیں؟"

"میرے ماں باپ؟" وہ اداس ہو جاتا ہے: "ماں تو گھر کے کام کاج میں تھوڑا بہت میری بیوی کا ہاتھ بٹا لیتی ہے لیکن اکثر بیمار رہتی ہے اور والد تو کئی سال سے دمہ کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جب سے وہ ریٹائر ہوئے ہیں مجھ پر اور پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ گھر کا سارا بوجھ میرے کاندھوں پر ہے۔ آمدنی کا کافی حصہ دواؤں کی نذر ہو جاتا ہے۔"

میں مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھتا ہوں۔

منظر یہ ہے کہ گھر میں کہرام مچا ہوا ہے۔ والد صاحب کا دل ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گیا ہے۔ میری ماں صدمہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی ہے۔ میری بیوی اور بچے بھی بے تحاشا رو رہے ہیں اور میں پاگل سا ہو گیا ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ ہنڈولا زمین کے اندر جا رہا ہے۔ بہت اندر......

وہ کہتا ہے: "سن رہے ہو نا؟ —— میں جب بھی گھر میں داخل ہوتا ہوں ماں باپ کے اداس، بیمار اور اجڑے ہوئے چہرے دیکھ کر مجھے بے انتہا تکلیف ہوتی ہے۔ میں اتنا مجبور ہوں کہ ان کے بڑھاپے میں بھی انھیں سُکھ نہیں دے پا رہا ہوں۔ اور پھر میں اپنے بچوں کے بارے میں بھی سوچتا

ہوں کہ اگر یہی حال رہا تو ان کے مستقبل کا کیا حشر ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ـــــ" میں آہستہ سے سر ہلاتا ہوں۔ "مستقبل کی بنیاد تو آج کے کاندھوں پر ہوتی ہے۔ اگر آج شکستہ اور مخدوش ہو تو مستقبل کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔"

اس کی آواز بھرا سی جاتی ہے۔ "میرا تو ماضی بھی ٹھیک نہیں۔"

"ماضی خواہ کیسا بھی ہو۔ سمجھ دار انسان اس کے بھی کچھ حصوں کو جوڑ کر رکھتا ہے۔ میرے پاس جو تانبے کی انگوٹھی ہے۔ وہ آج بھی چمک رہی ہے۔"

"دوست تم بہت معنی خیز اور فلسفیانہ باتیں کر رہے ہو۔ یہ اشاروں کنایوں کی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ سب کہاں سے سیکھا تم نے۔"

"ماضی سے" ـــــ میں مختصر سا جواب دیتا ہوں۔ "ماضی بہت گہرا ہے......" میں خاموش ہو جاتا ہوں مگر اسی گہرائی میں دیکھتا ہوں کہ وہ ماں جو مجھے روزانہ اسکول پہنچانے جاتی تھی۔ پارک میں سیر کرانے اور کھلونوں کی دوکانوں پر لے جاتی تھی۔ جو روزانہ میرے کپڑے تبدیل کرتی تھی۔ میرے لئے کھانا پروستی تھی، والد صاحب کے انتقال کے بعد ایکدم ٹوٹ چکی ہے مگر اب دن رات میرے بچوں کو خوش رکھنے میں مصروف ہے۔ انھیں اسکول لے جاتی ہے۔ پارک لے جاتی ہے۔ ان کے کپڑے تبدیل کرتی ہے۔ رات میں انھیں میٹھی میٹھی کہانیاں سناتی ہے ..... اور .....

اور پھر اچانک منظر تبدیل ہو جاتا ہے۔

گھر میں پھر کہرام مچا ہوا ہے۔ وہ ایک سایہ بھی جدا ہو چکا ہے جس کی وجہ سے مجھ پر کبھی دھوپ نہیں آئی، جس کی وجہ سے میرے بچوں پر کبھی دھوپ نہیں آئی۔ جو چار چار راتیں میرے ساتھ بیٹھ کر تیمارداری کرتی تھی۔ جس کی لوریاں سن کر میں میٹھی نیند سو جاتا تھا۔ جس کی کہانیاں سُن کر میرے بچے خواب میں کھو جاتے تھے۔ وہ خود شاید پہلی بار سوئی ہے۔

"دوست!"

"ہوں ـــــ" اس کی آواز سن کر میں چونک اٹھتا ہوں۔

"تمہاری آنکھوں میں آنسو ہیں؟"

"نہیں تو ـــــ" میں مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں۔" دراصل مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں بہت عرصے سویا نہیں ہوں۔ اسلئے آنکھوں میں پانی آگیا ہے..... ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"ہاں میں کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ تمہارے اندر کوئی بہت بڑا غم ہے۔ تم بار بار کھو جاتے ہو۔ مجھے بتلاؤ آخر کیا بات ہے؟"

"وہی کوئی بات نہیں۔ مجھے کس بات کا غم۔ میرے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ....." میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ اسے کس طرح بتلاؤں کہ مجھے کیا غم ہے۔ اسے کس طرح سمجھاؤں کہ اتنا سرمایہ اکٹھا کرنے کے بعد بھی میں خود کو کتنا بدنصیب سمجھ رہا ہوں۔ اپنے گھر میں، اپنے دل میں، اپنے آس پاس اور اپنے سر کے اوپر کتنی بڑی کمی محسوس کر رہا ہوں۔ اسے کس طرح بتلاؤں کہ میں ہر وقت یہی سوچتا ہوں کہ کاش صرف ایک لمحہ کے لئے میرے ماں باپ سامنے آجائیں۔ انھیں میں ایک بار پھر دیکھ لوں۔ یا وہ مجھے دیکھ لیں ـــ صرف ایک نظر...

وہ کہتا ہے "معاف کرنا دوست۔ میں نے اپنا دکھڑا رو کر تمہارا بہت سارا قیمتی وقت ضائع کیا۔ میں دراصل اپنی زندگی کی ناکامیوں پر بہت شرمندہ ہوں"

"شرمندگی کاہے کی۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنے حالات بتلائے۔ ہمت سے کام لو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"

"کچھ ٹھیک نہیں ہو گا" وہ مایوس آواز میں کہتا ہے۔ "زندگی بھر کی جدوجہد کا حاصل دیکھ لیا۔ ایسا لگتا ہے کہ آگے اور بھی گہرا اندھیرا ہے۔ جہاں بہت ساری تکلیفیں، غم اور اداسیاں میری منتظر ہیں۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اس زندگی سے موت بہتر۔ کہ میں اپنے بچوں کی ادنیٰ سی خواہشیں بھی پوری نہیں کر پاتا۔ ماں باپ کیلئے مناسب دوائیں بھی نہیں لا پاتا۔ انھیں اچھا کھانا بھی نہیں دے سکتا۔ انھیں دیکھتا ہوں تو میں اور بھی دکھی ہو جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ وہ مر جاتے تو اچھا ہوتا"

میں چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہوں۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"اور کیا کہوں ـــــ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ مجھ سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں۔

بہت بدنصیب ہوں میں۔" وہ خاموش ہو جاتا ہے۔

میں میز کی دراز سے چیک بک کھینچ کر اس پر ایک بڑی سی رقم لکھ کر دستخط کر دیتا ہوں۔

"اگر نصیب کی کوئی حقیقت ہے تو تم بدنصیب نہیں ہو۔"

"بدنصیب نہیں ہوں؟" وہ میری طرف حیرت سے دیکھتا ہے۔ "یہ تم کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟"

میں اس کی طرف چیک بڑھا دیتا ہوں۔ "لو اسے قبول کرو ـــــ میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم انتہائی خوش نصیب ہو۔"

"میں اور خوش نصیب؟"

میری آنکھوں میں بے اختیار دو ننھے منے قطرے چمک اٹھتے ہیں

"ہاں ـــــ بے انتہا خوش نصیب۔ کیونکہ تمہارے ماں باپ ابھی زندہ ہیں۔"

شمشیرِ استعارہ

سبز گھاس، جنگلی پھول اور پتھروں کے درمیان "شوں شوں" کرتے ہوئے تیز رفتار پہاڑی نالہ کا جھاگ دار پانی پیتے وقت بڑا مزہ آتا ہے، لیکن پانی پینے کے بعد جب میں ہنہنا کر گردن اوپر اٹھاتا ہوں تو چونک اٹھتا ہوں۔

وحشی قبائلیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔

ان کے ہاتھوں میں موٹی موٹی رسیاں ہیں۔

انھیں دیکھتے ہی میں بہت تیزی سے اچھلتا ہوں اور دونوں اگلی ٹانگیں زمین پر دو تین بار پٹک کر ایک سمت اس طرح سرپٹ دوڑتا ہوں کہ آناً فاناً ان کے حصار سے باہر ہو جاتا ہوں۔ وہ "ہاہا" کا شور کرتے ہوئے میرا تعاقب کرتے ہیں۔ میں پہاڑیوں کے دامن میں گشت پر گشت لگاتا ہوں۔ چند قبائلی مجھ سے بہت قریب ہوتے ہیں۔ وہ بار بار میری طرف رسّی کے پھندے پھینکتے ہیں۔ مگر ایک بار...... بس مزہ آجاتا ہے۔ رسّی کا پھندا میری بجائے مجھ سے قریب ایک قبائلی کی گردن میں جا پڑتا ہے اور وہ اسی لمحہ زمین پر اُلٹ جاتا ہے۔ میں ہنہنا کر نشیب کی طرف دوڑنے لگتا ہوں۔ مجھے نشیب کی طرف جاتے دیکھ کر قبائلی خوش ہو کر "ہاہا" کرتے ہیں کہ اب شاید مجھے پکڑ لیں گے۔

لیکن نشیب پر پہنچتے ہی ہوا مجھ سے ہمکلام ہو جاتی ہے۔ سُموں کے ساز پر زمین گنگنا اٹھتی ہے۔ گردن کے بال ہوا میں اڑنے اور لہرانے لگتے ہیں۔ میں اپنی اصل رفتار پر آجاتا ہوں۔ میری

رفتار پر قبائلی متحیر ہو جاتے ہیں۔ وہ چیخیے لیکایک بہت پیچھے چلے جاتے ہیں۔ میں بہت تیز، بہت تیز، بہت تیز دوڑتا ہوں اور تھوڑی ہی دیر بعد جب پلٹ کر دیکھتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے وہ سب کے سب سیاہ کیڑے بن کر سراب کے جال میں پھنس گئے ہوں۔

میں جانتا ہوں وہ مجھے کبھی پکڑ نہیں سکتے۔ میں ایک آزاد جنگلی گھوڑا۔ مثلِ آندھی، مثلِ طوفان، مثلِ برق...... متحرک، متجسس، متغائر، متنازع، متحارب..... مجھے اور میری تیزی و سرکشی کو وہ "ہاہانگی اولاد" کیا جائیں۔ ان کے سردار کا خواب ہرگز ہرگز پورا نہیں ہوگا۔ وہ میری پیٹھ پر زین کسنے یا مجھ پر باگ ڈالنے کے فخر سے ہمیشہ محروم رہے گا۔

وہ قبائلی قزاقوں کی طرح بہت دنوں سے میرے تعاقب میں ہیں۔ مجھے پکڑنے کیلئے ان کے سردار نے ایک بہت بڑا انعام دینے کا اعلان بھی جاری کر دیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل مجھے نہتا کرنے کیلئے انھوں نے میری چاندنی کو مجھ سے جدا کر دیا۔ کتنی خوبصورت تھی وہ۔ سراپا سفید۔ واقعی چاندنی تھی وہ۔ لیکن ان وحشیوں نے اسے خون میں نہلا دیا۔ میں نے اس کا انتقام جی بھر کے لیا ہے۔ بہت سارے وحشیوں کو ختم کر دیا۔ بہت سوں کو مفلوج کر دیا۔ مگر اب مجھے ان کی حدوں سے بہت دور چلے جانا چاہئے۔ وہ سب وحشی ہیں۔ ممکن ہے زندہ گرفتار نہ کر پانے کی جھلاہٹ میں مجھ پر تیر کمانوں اور کلہاڑیوں سے حملہ کر دیں۔

میں چلتا رہتا ہوں ــــــــ

ٹیلے، میدان، ندی، آبشار، کھیت، مرغزار اور پھر بانس کے جنگل کے اُس پار ایک خاموش بستی۔

بستی کے قریب پہنچ کر میں ایک جگہ رک جاتا ہوں۔ تمام دروازے بند، گلیاں سنسان اور سناٹا ہی سناٹا۔ اچانک ایک سمت سے کئی وردی پوش بندوقیں لئے نمودار ہوتے ہیں اور بند دروازوں کو بندوقوں کے کندوں سے مار مار کر توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ نظر آتی ہے۔ چند ہی ضرب کے بعد ایک دروازہ ٹوٹ جاتا ہے۔ وردی پوش اندر گھستے ہیں۔ چند ہی لمحوں بعد ایک آدمی خون میں لت پت باہر آ کر گرتا ہے اور وردی پوش ایک

جوان عورت کو بیدردی سے کھینچ کر باہر نکالتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ انھوں نے اس عورت کے کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں۔ وہ چیخ چیخ کر محلہ والوں کو مدد کیلئے پکار رہی ہے۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہے۔ میں چوکنا ہو جاتا ہوں۔ میری آنکھوں میں وحشی قبائلیوں کے چہرے گھومنے لگتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ چاندنی ان کے نرغے میں ہے۔ اچانک مجھ میں ایک گرم طوفان سا گرج اٹھتا ہے۔ میں غصہ میں بہت زور سے ہنہناتا ہوں اور وردی پوشوں پر موسلا دھار بارش کی طرح سُم بجاتا ہوا حملہ کرتا ہوں۔

اس اچانک حملہ پر وہ بوکھلا جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے بندوقیں چھوٹ جاتی ہیں۔ جوان عورت ان کی گرفت سے نکل کر دوسری گلی میں بھاگ جاتی ہے۔ میں آناً فاناً دو وردی پوشوں کو روند ڈالتا ہوں اور ایک کو لات اس طرح رسید کرتا ہوں کہ اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ چوتھا وردی پوش جان بچا کر بھاگتا ہے لیکن میں اسے بھی کچل کر آگے نکل جاتا ہوں۔ آس پاس سیٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ بہت سارے وردی پوش ادھر اُدھر سے دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ ایک طرف سے جیپ بھی نمودار ہوتی ہے۔ کئی فائر ہوتے ہیں، لیکن میں بستی سے نکل کر بانس کے جنگل میں گھس جاتا ہوں۔

"اب تو مجھے ان کا باپ بھی نہیں پکڑ سکتا۔ یہ وحشی قبائلی ہر جگہ موجود ہیں، لباس اور چہرے بدل بدل کر، جنگل میں بھی اور بستی میں بھی۔ ان وحشیوں نے میری چاندنی کو مار ڈالا۔ میں ان سے ہمیشہ جنگ کرتا رہوں گا۔ میری جنگ شاید ہمیشہ جاری رہے گی!"

شام میں جنگل سے نکل کر میں ڈوبتے ہوئے سورج کی سمت خراماں خراماں چلنے لگتا ہوں۔ ایک نظر بستی کی طرف بھی دیکھتا ہوں۔ وہ بدستور سنسان نظر آتی ہے۔ میں چلتا رہتا ہوں۔ ستارے چمکنے لگتے ہیں۔ پھر چاند بھی نکل آتا ہے۔ صبح تک کئی وادیاں پار کرتا ہوں اور پھر ایک اونچی چٹان پر سے دیکھتا ہوں کہ کچھ دور پر ایک نہایت وسیع شہر ہے۔ خوبصورت، عالی شان، جگمگاتا ہوا۔ میں ادھر کافی دیر تک دیکھتا رہتا ہوں۔ پھر گردن اٹھائے اس کی طرف اطمینان سے بڑھنے لگتا ہوں۔

کچھ ہی دیر میں شہر میں موجود ہوتا ہوں۔

بھیڑ بھاڑ، شور، ہنگامہ، کاروں کی ریل پیل، ریڈیو، گیت، موسیقی، دوکانداروں کی

بیچیخ و پکار، ٹرین کی سیٹیاں، اُف ، میرے کان بجنے لگتے ہیں ...... لیکن تھوڑی دیر بعد میں ان آوازوں کا عادی ہو جاتا ہوں۔

رنگ برنگی کاروں کے درمیان بھرے پڑے روڈ پر سے گذرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ سب میری طرف مشکوک، عجیب یا حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ میں شہر کا جائزہ لیتے ہوئے چلتا رہتا ہوں۔

سر بفلک بلڈنگوں کے نیچے دونوں سمت خوبصورت دوکانیں۔

فٹ پاتھ پر لوگوں کا اژدھام۔

رنگ برنگے دیدہ زیب لباس۔ اچانک کانوں میں ایک آواز آتی ہے۔

"یہ چتکبرہ گھوڑا کتنا خوبصورت ہے...... کس کا ہے؟"

"مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے سکندرِ اعظم کا ہو" دوسری آواز آتی ہے۔ "کیا شان ہے اس کی"

اپنی تعریف پر میں دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوں۔ چوراہے پر ایک ٹریفک کانسٹبل میری طرف حیرت سے دیکھتا ہے اور پھر گردن ادھر ادھر گھما کر یوں دیکھتا ہے جیسے میرے مالک کو ڈھونڈ رہا ہو۔ میں اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر آگے نکل جاتا ہوں۔ آگے ساڑیوں کی خوبصورت دوکانوں اور شوروم کے آس پاس عورتوں اور لڑکیوں کے ہجوم میں سے ایک شرارت بھری آواز ابھرتی ہے۔

"ارے دیکھو یہ گھوڑا کتنا خوبصورت ہے۔ اُف! کتنا جوان.... کتنا شاندار..... کتنا تندرست۔ اگر یہ مرد ہوتا تو میں یقیناً اس سے شادی کر لیتی"

جواب میں کئی لڑکیوں کے ہنسنے کی آوازیں آتی ہیں۔ میں گردن گھما کر اس لڑکی کو دیکھتا ہوں اور دل ہی دل میں کہتا ہوں۔

"کاش تم گھوڑی ہوتیں"

لڑکیاں مجھے متوجہ دیکھ کر زور سے ہنستی ہیں۔

"ارے یہ تو ادھر ہی دیکھ رہا ہے۔ بھاگو۔ ڈر ہے کہیں سہرا باندھ کر نہ آجائے"

میں دل ہی دل میں ہنستا ہوا دوسری سمت گھوم جاتا ہوں۔ احساس ہوتا ہے کہ یہاں

بڑا اچھا لگ رہا ہے۔ زندگی کی ساری چہل پہل اور رونق اس شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں دھوم دھڑاکا کر رہی ہے۔ ہر طرف کتنا حسن ہے۔ پیار ہے..... کِنڈر گارڈن کے ننھے منے بچے مجھے کتنی حیرت، مسرت اور محبت سے دیکھ رہے ہیں۔ جیسے میں ان کا دوست ہوں۔

مگر دوسرے دن احساس ہوتا ہے کہ میں خطرے میں ہوں۔ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ ایک سنسان سڑک پر ایک درخت کے قریب رُک کر میں کنکھیوں سے اپنی بائیں سمت دیکھتا ہوں۔ ایک دبلا پتلا کالے رنگ کا آدمی کچھ دور کھڑا سگریٹ کے کش لے رہا تھا اور وہ بھی مجھے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے گمان ہوتا ہے کہ اس کالے آدمی کو میں اب تک کئی بار دیکھ چکا ہوں۔ معاملہ بھانپنے کیلئے میں انجان بن کر وہیں رک جاتا ہوں۔ مجھے اس طرح اطمینان سے کھڑے دیکھ کر وہ ایک سمت فوراً لپکتا ہے۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک ٹیکسی میں دو خوش لباس آدمیوں کو لیکر واپس آجاتا ہے۔

وہ قریب آکر مجھے اُوپر سے نیچے تک گھوم گھوم کر دیکھتے ہیں۔ پھر کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتے ہیں۔ میں اپنے کان کھڑے کر لیتا ہوں۔ چند ہی لمحوں بعد مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ کالا آدمی مجھے ان دونوں کے ہاتھوں فروخت کر رہا ہے۔ میں غصہ میں بھڑک اٹھتا ہوں۔ مجھے بیچنے کا اس کالے آدمی کو کیا حق ہے؟

میں گردن گھما کر اس کی طرف قہر آلودہ نظروں سے دیکھتا ہوں۔ وہ چونک جاتا ہے۔ میں گردن اکڑا کر آہستہ آہستہ اپنے سُم بجاتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہوں۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے.... میں اور آگے بڑھتا ہوں.... وہ اور پیچھے ہٹتا ہے۔ اور پھر اچانک میں بہت زور سے ہنہنا کر اپنی اگلی ٹانگیں اوپر اٹھاتا ہوں۔ وہ چیخ مار کر ایک سمت بھاگتا ہے۔ میں اس کا تعاقب کرتا ہوں مگر وہ ایک پتلی سی گلی میں گھس جاتا ہے۔

"سالا بچ گیا"

میں آگے چلتا ہوں۔ "یہ علاقہ شاید شہر کے مضافات کا ہے۔ یہاں کتنا سکون ہے۔" میں دل ہی دل میں سوچتا ہوں۔

کچھ آگے چلنے پر ایک وسیع میدان میں پھیلی ہوئی سبز گھاس دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی

ہے۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑاتا ہوں تو ایک طرف ایک نل سے پانی بھی بہتا ہوا نظر آتا ہے۔

ایک گھنٹہ گذرنے کے بعد مجھے پھر احساس ہوتا ہے کہ میں خطرے میں ہوں۔ دُور سے آتی ہوئی ایک جیپ میں مجھے اُسی کالے آدمی کی شبیہہ جھلکتی ہے۔ اس کے ساتھ چھ سات آدمی اور بھی دکھائی دیتے ہیں اور ان سب کے چہرے قبائلیوں سے ملتے جلتے محسوس ہوتے ہیں۔

وہ یقیناً مجھے پکڑنے کیلئے آ رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کے پاس رسیاں یا ہتھیار ہوں۔

میں نتھنے پھُلا کر ٹانگیں زور زور سے زمین پر رگڑتا ہوں اور ہنہنا کر ایک سمت پہلے تو قدم قدم چلتا ہوں پھر سرپٹ دوڑنے لگتا ہوں۔ مُڑ کر دیکھتا ہوں تو جیپ متعاقب نظر آتی ہے۔ کچھ ہی لمحوں بعد میں ہائی وے پر آ جاتا ہوں۔

"اب مزہ چکھاؤں تمہیں؟ —— دشمنو! اب تم میرا اصل رُوپ دیکھو!"

اچانک میں اپنا رُخ جیپ کی طرف کر لیتا ہوں اور موسلا دھار بارش کی طرح سُم بجاتا ہوا، بادلوں کی طرح گرجتا ہوا سامنے سے آتی ہوئی جیپ کی طرف نہایت تیزی سے دوڑتا ہوں۔ جیپ میں موجود سب کے چہرے فق ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔

میں ایک آزاد جنگلی گھوڑا۔

مثلِ آندھی

مثلِ طوفاں

مثلِ برق ....

اور جیپ سے قریب ہوتے ہی میں ایک بلند، شاندار، زبردست، جست لگاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ جیپ میری جست کے بہت نیچے یک بیک کئی چکر کھا کر ایک گرجدار آواز کے ساتھ ہائی وے سے لڑھک کر ایک کھڈ میں جا گری ہے۔ میں مسرور ہو کر اپنا رُخ پھر شہر کی طرف کر لیتا ہوں۔ احساس ہوتا ہے کہ مجھ میں غیر معمولی جوش آ گیا ہے۔

ریلوے اسٹیشن، ائیرپورٹ، سوئمنگ پول، پارک، احاطے، فٹ پاتھ، دوکانیں، مرد، عورتیں، بچے،

اچانک سامنے ایک بڑا گیٹ نظر آتا ہے۔ میں اپنی رو میں دوڑتا ہوا اس کے اندر گھس جاتا ہوں۔ آس پاس کھڑے ہوئے لوگ شور کرتے ہیں لیکن میں اپنی رفتار میں ہوتا ہوں۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں تو خوشی میں آنکھیں چمکنے لگتی ہیں۔ میں ریس کورس میں پہنچ گیا ہوں۔

دیکھتا ہوں کہ کافی آگے کچھ گھوڑے اندھا دھند دوڑ رہے ہیں اور چاروں طرف سے تماشائیوں کے شور اُبل رہے ہیں۔ ایک لمحہ رک کر میں تماشائیوں کے چہروں کو دیکھتا ہوں۔

"بیوقوف ہیں سب۔ دوسروں کی رفتار پر اپنا وزن کر رہے ہیں۔ دکھاؤں انھیں بھی تماشا؟ مزہ آئے گا۔"

اور میرا رخ آگے دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ تماشائی حیرت زدہ مجھے دیکھنے لگتے ہیں، اور چند ہی لمحوں بعد جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ میں آگے دوڑتے ہوئے گھوڑوں سے بہت قریب ہو گیا ہوں تو ان میں کھلبلی سی مچ جاتی ہے۔ ایک زبردست شور اٹھنے لگتا ہے۔ میں دل ہی دل میں ہنستا ہوں۔

اور پھر ہوا مجھ سے ہمکلام ہو جاتی ہے۔ سُموں کے ساز پر زمین گنگنانے لگتی ہے۔ بال ہوا میں اڑنے اور لہرانے لگتے ہیں۔ اور چشمِ زدن میں تمام گھوڑے مجھ سے بہت پیچھے ہو جاتے ہیں۔

تماشائیوں کے طوفانی شور میں پورا ایک راؤنڈ لگانے کے بعد میں اسی گیٹ سے تیر کی طرح نکل جاتا ہوں۔ میرے پیچھے بہت سے لوگ، بہت سی کاریں، بہت سے اسکوٹر اور بہت سے فوٹوگرافر دوڑتے ہیں لیکن میں مثلِ آندھی، مثلِ طوفاں، مثلِ برق ...... انھیں بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہوں۔

شاید سب میرے معتقد ہو گئے ہیں۔ یا اپنے جوئے میں مجھے بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن انہیں کیا معلوم کہ میں نے خود انھیں کتنی بڑی شکست دی ہے۔

شہر کے آخری حصّہ پر پہنچ کر بہت دور تک پھیلی ہوئی جھونپڑپٹی دیکھ کر میں ٹھٹھک کر رک جاتا ہوں۔

"اس خوبصورت شہر میں بھی جھونپڑپٹیاں؟ اتنا بڑا طنز یہ بلڈنگ والے کس طرح

برداشت کر رہے ہیں۔"

مگر ایک طرف نظر اٹھتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی برداشت نہیں کر رہا ہے۔ کچھ ہی فاصلہ پر ہنگامہ بپا ہے۔ بے شمار ہتھیار بند پولس کی موجودگی میں کارپوریشن کے ملازمین نہایت بے دردی سے جھونپڑے توڑ رہے ہیں۔ لوگ احتجاج کر رہے ہیں۔ رونے اور چیخنے چلّانے کی آوازیں بھی بلند ہو رہی ہیں۔ بعض لوگوں پر پولس ڈنڈے بھی برسا رہی ہے اور کچھ فاصلہ پر کارپوریشن کے افسران اور بلڈنگوں میں رہنے والے خوش پوش مسکرا مسکرا کر یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔

میں نہایت آہستہ آہستہ وہاں تک پہنچتا ہوں۔ ملازمین ایک جھونپڑے میں سے دو تین عورتوں اور بچّوں کو کھینچ کھینچ کر باہر نکالتے ہیں اور ان کا جھونپڑا توڑنے لگتے ہیں۔ عورتیں رو رو کر ان کے قدموں سے لپٹ جاتی ہیں مگر وہ انھیں پرے دھکیل دیتے ہیں۔ میں آنکھیں اٹھا کر بھیڑ کی طرف دیکھتا ہوں۔ بے شمار آنکھوں سے میلے میلے آنسو بہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آنسو..... اتنی ساری آنکھوں میں آنسو..... اور یہ ظلم ؟ میں اندر ہی اندر آتشناک ہونے لگتا ہوں۔

شہری قبائلیو! ان گھروں سے تو عبادت خانے روشن ہیں اور تمہارے گالوں پر سرخیاں ہیں، انھیں اجاڑ رہے ہو۔ لو اب میں تمہیں اجاڑتا ہوں۔"

میں سُم بجاتا ہوا پیچھے بہت دور تک ہٹتا ہوں اور پھر زور سے ہنہنا کر جھونپڑے توڑنے والوں کی طرف سرپٹ دوڑتا ہوں۔ وہ مجھے طوفان کی طرح نازل ہوتے دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔ خود کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں مگر پہلی ہی دوڑ میں تین چار میری زد میں آکر زمین پر ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ انھیں کچل کر میں کافی آگے چلا جاتا ہوں، اس کے بعد پھر پلٹتا ہوں اور آناً فاناً دو تین کو مزید کچل ڈالتا ہوں۔ پولس حرکت میں آجاتی ہے۔ میں پولس کے جتھے کی طرف بھی دوڑتا ہوں۔ وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں مگر میں ان میں سے بھی ایک دو کو روند کر ہائی وے کی طرف دوڑنے لگتا ہوں۔ میری جانب ریوالور اور بندوقیں اٹھ جاتی ہیں۔ پھر فوراً دو تین جیپ بھی اسٹارٹ ہوتی ہے لیکن تب تک میں ہائی وے پر پہنچ جاتا ہوں۔

کچھ لمحوں بعد پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں۔ پولس تعاقب میں نظر آتی ہے۔ میں ہائی وے چھوڑ کر اونچی نیچی زمین پر دوڑنے لگتا ہوں۔ پیچھے سے کئی فائر ہوتے ہیں۔ میں اپنا رخ بدل کر ٹیکریوں کے اس پار چلا جاتا ہوں۔ جیپ کی آوازیں آہستہ آہستہ بہت پیچھے ہو جاتی ہیں۔ میں اپنی رو میں دوڑتا رہتا ہوں۔

اچانک ایک چٹان کے پیچھے سے ایک جیپ نمودار ہوتی ہے۔ میں فوراً دوسری سمت گھوم جاتا ہوں اور اپنی رفتار اور تیز کر دیتا ہوں۔ سامنے پہاڑیاں آجاتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر میں خوشی میں ہنہناتا ہوں اور ہوا مجھ سے ہمکلام ہو جاتی ہے۔ سُموں کے ساز پر زمین گنگنانے لگتی ہے۔ بال ہوا میں اڑنے اور لہرانے لگتے ہیں۔

میں جانتا ہوں۔ جیپ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔

ایک ہی سانس میں، میں پہاڑیوں پر پہنچ جاتا ہوں اور اسی رفتار سے آگے دوڑنا چاہتا ہوں مگر ٹھٹھک کر رک جاتا ہوں۔ آگے راستہ نہیں ہے۔ آگے کچھ نہیں ہے۔ میں بہت بلندی پر ہوں اور ——— نیچے، بہت نیچے گہرا دریا بہہ رہا ہے۔

اچانک پیچھے سے کئی فائر ہوتے ہیں۔ ایک دہکتی ہوئی گولی میری پچھلی ٹانگ زخمی کر دیتی ہے۔ میں لڑکھڑا جاتا ہوں۔ کئی فائر پھر ہوتے ہیں۔ میں سنبھلتا ہوں اور پھر ایک پرجوش جست میں اوپر اٹھتا ہوں۔

اب میں ہوائی سیڑھی سے نیچے بہتے ہوئے دریا کی طرف اتر رہا ہوں........

شہری قبائلیو! تمہارے ہاتھ میں قانون بھی ہے۔ بندوق بھی ہے۔ عدل کی میزان بھی، سب کے گھر بار اور جانیں بھی۔ مگر تمہارے ہاتھوں میں میرے سُموں کی خاک بھی نہیں آئے گی۔ میں ایک آزاد جنگی گھوڑا۔ آتش عناں..... بغاوت کا استعارہ۔ متحرک، متجسس، متغائر، متنازع اور متحارب!

مثلِ آندھی
مثلِ طوفاں
مثلِ برق

لکڑی کی ٹانگ میں گھنگھرو

گھنگھرو کی آواز
آوازِ کی موج
موج گلی میں سے گذر رہی ہے.
گلی گونج اٹھی ہے ــــــ رات بجنے لگی ہے.

شاید وہ آرہا ہے. شاید وہ بہت قریب آگیا ہے. میں اٹھ کر دروازے میں سے اُسے دیکھتا ہوں. وہ میرے قریب سے گذرتا ہے. مجھے دیکھتا ہے تو ہاتھ اٹھا کر سلام کرتا ہے اور گلی میں گھنگھرو کی آواز کی میخیں گاڑتا ہوا آگے چلا جاتا ہے. آگے کچھ دُور پر اس کا گھر ہے.

یہ شخص پتہ نہیں کیوں مجھے بے حد پُراَسرار لگتا ہے. جب سے میں یہاں آیا ہوں، مجھے یہ پورے شہر میں سب سے الگ اور عجیب لگا. اس کی لکڑی کی ٹانگ، اور ٹانگ میں بڑا سا گھنگھرو ایسا لگتا ہے جیسے ...... نہیں جیسے ویسے کچھ نہیں، ایکدم صاف بات ہے کہ یہ شخص یا تو نمائش پسند ہے یا احساسِ کمتری کا شکار، یا شیخی خور، یا نفسیاتی مریض. اس کے گھنگھرو کی آواز کتنی تیز ہے. اس آواز کے بارے میں اگر یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ یہ آواز شہر کے سارے خیالات بہالے جاتی ہے. اس کی ایک ٹانگ گھٹنے کے پاس سے لکڑی کی ہے جس میں اس نے ایک گھنگھرو باندھ رکھا ہے. اکثر میں سوچتا ہوں کہ اگر اس کے پاس اصلی ٹانگ ہوتی تو پتہ نہیں اس میں کون سا ساز باندھ لیتا. میں نے غور سے دیکھا ہے کہ اس کی لکڑی کی ٹانگ جب بے ڈھب انداز سے زمین پر کھٹ سے پڑتی

ہے تو گھنگھرو بج اٹھتا ہے. یوں!..... کھٹ! کھنن ..... کھٹ کھنن. دو مختلف آوازوں کا یہ امتزاج ایسا ہی ہے جیسے بیمار گھوڑے کے گلے میں لال دوپٹہ ململ کا (ہو جی).

مجھے شہر پہ اور خاص طور پر گلی والوں پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس کے گھنگھرو پر اعتراض کیوں نہیں کرتے. رات میں جب سب سو رہے ہوں، یا کچھ لوگ کہیں بیٹھے باتیں کر رہے ہوں، یا بچے پڑھ رہے ہوں، یا کوئی کچھ سوچ رہا ہو. اس کی کھٹ کھنن کی یلغار سے سارے تانے بانے بکھر جاتے ہیں. اسی لئے تو کہتا ہوں کہ یہ آواز شہر کے سارے خیالات بہالے جاتی ہے. مگر افسوس ہوتا ہے کہ یہ صرف میرے احساسات ہیں. میرے سوا کوئی اور اس کی آواز سے مضطرب نہیں، بلکہ اسکے برعکس یوں محسوس ہوتا ہے کہ سب اس کی قدر کرتے ہیں. بچے اسے بہت پیار سے دیکھتے ہیں. عورتیں اس کا احترام کرتی ہیں. تو کیا یہ سارا معجزہ اس لکڑی کی ٹانگ اور اس کے گھنگھرو کا ہے؟ ممکن ہے اس کی حالت پر ترس کھاتے ہوں گے لوگ. مگر کہیں ایسا تو نہیں کہ میں خواہ مخواہ اس سے رقابت میں مبتلا ہوں، لیکن رقابت کیسی؟ سیدھی سی بات ہے. رات میں جب میں لکھنے یا پڑھنے بیٹھتا ہوں تو اس کی متضاد آواز دماغ پر دستک دیتی ہے. ہلچل پیدا ہو جاتی ہے. انتشار در آتا ہے. ابھی تازہ بات ہے. ابھی ابھی کچھ دیر پہلے میں نے سوچا تھا کوئی نئی کہانی لکھوں مگر اس کی کھٹ کھنن نے دماغ میں میخ اتار دی.

ایک دن جبکہ میرے کمرے میں کئی پڑوسی موجود ہوتے ہیں میں اُسکے بارے میں بات چھیڑتا ہوں.
"یہ لکڑی کی ٹانگ والا شخص مجھے کچھ عجیب سا لگتا ہے. ایسا لگتا ہے کہ جیسے پورا مصنوعی ہو. کیا اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں؟"

وہ سب ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے ہیں. پھر اُن میں سے ایک مختصراً کہتا ہے.

"وہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے."

میں بے ساختہ کہہ اٹھتا ہوں "کیا فرشتے اسی طرح ٹانگ میں گھنگھرو باندھ کر سب کا سکون غارت کرتے ہیں؟"

یہ گھنگھرو سے سکون غارت کہاں ہوتا ہے۔" دوسرا مسکرا کر کہتا ہے "ہمیں تو اس کی آواز بہت اچھی لگتی ہے۔"

"مگر اپنے وجود کا اعلان اس طرح گھنگھرو باندھ کر کرنا مجھے پسند نہیں۔ دوسروں کا سکون درہم برہم ہوتا ہے۔ سوچ کا بہاؤ ٹھٹھک جاتا ہے۔"

"بہت سے لوگ انفرادیت پسند ہوتے ہیں۔"

"میں اسے انفرادیت نہیں بلکہ حماقت سمجھتا ہوں۔"

وہ ہنستے ہیں۔ ایک کہتا ہے "بہت سے سادھو اپنی کمر سے گھنٹے لٹکا لیتے ہیں جو بہت شور کرتے ہیں۔ وہ چلتے وقت اپنے چمٹے بھی بجاتے ہیں اور ان کے کھڑاؤں بھی کھٹ کھٹ کرتے ہیں۔۔۔۔"

"خیر وہ تو سادھو ہوئے۔ انھوں نے کچھ سادھ لیا ہے مگر اسے کیا تکلیف ہے؟"

"تکلیف؟ خیر چھوڑیے۔ آپ شاید اس سے کچھ ناراض لگتے ہیں مگر ابھی آپ نئے نئے ہیں۔ کچھ دنوں بعد آپ کو علم ہو جائے گا کہ وہ ایک بہترین انسان ہے۔"

مجھے بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ "ایسی کون سی بات ہے اس میں؟ مجھے تو لکڑی کی ٹانگ اور گھنگھرو کے سوا اُس میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اسکا اس طرح ٹھکیا کر کے چلنا مجھے قطعی پسند نہیں۔"

"آپ اس کی ٹانگ اور اس کے گھنگھرو سے ذرا ہٹ کر اس انسان کو بھی دیکھئے۔ ممکن ہے آپ کو کچھ نظر آجائے۔"

"ٹھیک ہے، ضرور دیکھوں گا۔"

اُس رات میں اس کے گلی سے گذرنے کا انتظار کرتا ہوں مگر وہ نظر ہی نہیں آتا۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ وہ آواز کہاں غائب ہو گئی۔ رات گئے تک میں گلی کی طرف کان دھرے جاگتا رہتا ہوں مگر گلی پر سناٹا مسلط رہتا ہے۔ مجھے کچھ مسرت محسوس ہوتی ہے۔

اور پھر کئی دن تک نہ وہ نظر آتا ہے نہ اس کے گھنگھرو کی آواز سنائی دیتی ہے۔

ایک شام میں اپنے پڑوسی سے کہتا ہوں

وہ گھنگھرو والا کہاں گیا؟ آج کل نظر نہیں آرہا ہے۔"

"ہسپتال میں ہے۔"

"کیوں؟"

"اسکول جاتے ہوئے ایک بچے کو کار کی زد سے بچانے کے سلسلہ میں وہ کافی زخمی ہوگیا تھا۔"

"اچھا ــــــ اس کی دوسری ٹانگ تو محفوظ ہے نا؟"

"ہاں ــــــ" وہ میری طرف حیرت سے دیکھتا ہے

میں ہنستا ہوں

کئی دن بعد ــــــ گلی میں چہ میگوئیاں ہوتی ہیں کہ وہ ہسپتال سے واپس آگیا ہے۔ مجھے ناگوار گذرتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اب پھر وقت بے وقت اس کی کھٹ کھٹ سے دماغ خراب ہو گا۔ اتنے دن کتنے سکون سے گذرے تھے۔ ذہن ذرا بھی منتشر نہیں ہوا تھا۔ اب پھر یک بیک چونک اٹھنے کا سامان سر پر آگیا ہے۔

اسی شام جبکہ میں ایک بھرے پرے ریسٹورنٹ کے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھا ہوتا ہوں۔ اچانک قریب سے گھنگھرو کی آواز آتی ہے۔ میں چونک اٹھتا ہوں۔ نگاہ اٹھا کر دیکھتا ہوں تو وہ مسکرا کر سلام کرتا ہے۔ میں سر کو خفیف سا ہلا کر اس کا سلام لیتا ہوں اور خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ جاتا ہے۔

میں بیرے کو چائے کا آرڈر دیتا ہوں اور سوچنے لگتا ہوں۔ آج اس کا گھنگھرو میری زد میں ہے، اب پتہ چلے گا اسے، سب کا سکون غارت کرتا ہے نا۔ ٹھیک ہے آج فیصلہ ہو جائے گا....

نگاہ اٹھاتا ہوں تو وہ کچھ سوچتا ہوا نظر آتا ہے۔ غور سے دیکھتا ہوں تو لگتا ہے جیسے بہت مہذب، بہت سنجیدہ اور بہت خوش اخلاق ہے۔

(اچھا اداکار ہے) ــــــ میں دل میں سوچتا ہوں۔

بیرا چائے لے آتا ہے۔

چائے پینے کے بعد بھی وہ کچھ سوچتا رہتا ہے۔ میں بھی خاموش رہتا ہوں۔ کچھ دیر بعد وہ ذرا شرمیلے انداز سے کہتا ہے۔

"سنئے! میں بہت دنوں سے آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا مگر جانے کیوں ہمت نہیں ہو رہی تھی ...."

"پوچھئے، کیا بات ہے؟"

"آپ کہانیاں لکھتے ہیں نا؟"

میں چونک اٹھتا ہوں" ہاں لکھتا تو ہوں، مگر آپ سے کس نے کہا؟"

"کسی نے کہا نہیں ——— میں نے پڑھی ہیں۔"

"اچھا تو پھر؟"

"میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا....." وہ جھجھک کر رک جاتا ہے۔

"کہئے، بلا جھجک بلا تکلف کہئے۔"

"میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ اصل کہانیاں کیوں نہیں لکھتے؟"

میں اس کی طرف حیرت سے دیکھتا ہوں" اصل تو لکھتا ہوں۔ کیا آپ کو کچھ شک ہے؟"

"میرا مطلب ہے علامت اور تجرید کی ضرورت کیا ہے کہانی کو۔ مجھے لگتا ہے کہ کہانی ان میں دفن ہو جاتی ہے۔"

میں نظریں اٹھا کر اس کے چہرے کا جائزہ لیتا ہوں۔ وہ مسکراتا ہے۔ میں سوچتا ہوں۔ یہ شخص تو بہت پر پرزے نکال رہا ہے۔ شاید پڑھا لکھا ہے مگر کتنی بڑی بات کہہ رہا ہے اپنا رعب جمانے کیلئے۔ اسے کیا معلوم کہ کہانی کسے کہتے ہیں۔ ——— میں اسے سمجھاتے ہوئے اپنی صفائی کرتا ہوں۔

"میں کوئی ایک اسلوب کا پابند نہیں۔ میں ہر طرح کی کہانیاں لکھتا ہوں۔ آپ کو شاید پتہ نہیں کہ ہر اچھی کہانی اپنا اسلوب خود دریافت کرتی ہے۔"

"مگر علامت اور تجرید؟"

"ہاں میں آگے انھیں کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ دراصل بعض موضوعات اتنے لچکدار،

تہ دار اور اتنے مبہم اور سیماب صفت ہوتے ہیں کہ انھیں گرفت میں لینے کیلئے علامت اور تجرید کے سوا اور کوئی سہارا نہیں رہ جاتا. زندگی کا طلسم اتنا گہرا ہے کہ کبھی کبھی لفظوں میں محصور نہیں ہو پاتا لہٰذا اسے خیال کا ایک لباس زیب تن کرانا پڑتا ہے اور کبھی کبھی اپنی تیشہ زنی بھی دکھانی پڑتی ہے. لیکن میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ ہر کہانی کے مقدر پر تجربہ ٹانکنا یا اس کے جسم پر علامت اور تجرید کا اُبٹن ملنا اس پر ظلم ہے اور قارئین کے ساتھ مذاق. میں اسے افسانہ نگاری نہیں بلکہ اداکاری سمجھتا ہوں........"

وہ مسکراتا ہے اور کچھ کہنا چاہتا ہے مگر میں اسے روک دیتا ہوں.

"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی ہے. آگے سنئے !...... شاید آپ کو خبر ہو کہ نئی فکر اور نئی طرز روش کے نام پر فضول اور بے مصرف کہانیاں بہت زیادہ لکھی گئی ہیں. ان کا ہمارے شب و روز سے یا ہمارے حقیقی مسائل سے کیا تعلق؟ بہت سی کہانیاں ماضی نگاری کی دھند میں کھو گئی ہیں اپنی کم نصیبی کے باعث! اور بہت سی ہمارے عہد کی تاب نہ لاکر آگے کی طرف فرار ہو گئی ہیں. ان کا ہم سے کیا واسطہ؟ صاف بات ہے. جو ہم سے بہت آگے ہوں یا ہم سے بہت پیچھے ہوں وہ ہم میں سے نہیں!"

اس کے چہرے پر چمک سی آجاتی ہے. لگتا ہے کہ وہ مطمئن ہو گیا ہے مگر بڑے شائستہ انداز میں اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنا اعتراض دوبارہ رکھ دیتا ہے.

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میں کسی شئے کو مستعار لباس میں یا مستعار رنگ و روپ میں دیکھنا پسند نہیں کرتا. اس میں تصنع آجاتا ہے. اس کا فطری جمال متاثر ہوتا ہے......"

"فطری جمال؟" میں چونک اٹھتا ہوں. یعنی کہ یہ پھر حملہ کر رہا ہے. "سنئے! فطری جمال کو فکری جلال ہی محصور کر سکتا ہے اور کوئی نہیں!" میری آواز کچھ اونچی ہو جاتی ہے. میں سوچتا ہوں. یہ آدمی ہے یا بھوت. خود تو مصنوعی ٹانگ لگائے ہوئے ہے اور باتیں کر رہا ہے مستعار لباس کی — فطری جمال کی. مگر مجھے اس سے کیا غرض. اس کا اپنا بھی ایک جہان ہے. میں اس سے پوچھتا ہوں.

"آپ کے پسندیدہ ادیب کون کون ہیں؟"

وہ جواب دیتا ہے۔ "پریم چند، کرشن چندر اور سعادت حسن منٹو"
"اور راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، سہیل عظیم آبادی، رام لعل اور جوگیندر پال؟"
دفعتاً مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ قاری پر میں کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔
وہ پہلو بدل کر کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اسی وقت اس کا گھنگھرو دو بار بول اٹھتا ہے: "چھن، چھن"
میرے ذہن میں ایک تلوار سی چمک اٹھتی ہے۔ میں موضوعِ گفتگو کے سارے تانے بانے پلٹ دیتا ہوں۔
"آپ کی اس ٹانگ کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا تھا؟"
"حادثہ ــــــ؟" وہ گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے اور وہاں کرب کی لکیریں نمودار ہو گئی ہیں۔
"شاید میرے سوال سے آپ کو تکلیف پہنچی؟"
"جی نہیں۔ میں جواب کیلئے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ سنئے، میری ٹانگ کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا ہے بلکہ اس کا قتل ہوا ہے"
"قتل ــــــ یعنی کہ آپ کی ٹانگ کا قتل؟" میں حیرت سے کہتا ہوں۔
"ہاں" اس کی آواز کانپنے لگتی ہے "یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نوجوان تھا۔ یہیں اسی شہر میں ایک سہ پہر کو فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ میں ایک بوڑھے اور ایک معصوم بچے کی جان بچانے کیلئے انھیں اپنی سائیکل پر لے کر فسادیوں کے نرغے سے بھاگتا ہوں۔ وہ پتھراؤ کرتے ہوئے میرا تعاقب کرتے ہیں مگر میرے سامنے پولس کی جیپ اچانک آجاتی ہے اور پولس کی پہلی ہی گولی میری ٹانگ میں گھس جاتی ہے۔ میں بے ہوش ہو جاتا ہوں اور مجھے جب ہوش آتا ہے تو دیکھتا ہوں کہ میں ہسپتال میں ہوں اور میری وہ ٹانگ کاٹ دی گئی ہے ....."
مجھے اپنی حالت کچھ متغیر محسوس ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ...... نہیں جیسے ویسے کچھ نہیں۔ ایک دم صاف بات ہے۔ اس شخص سے متعلق میں غلطی پر تھا۔ اس شخص کے اندر واقعی کچھ ہے۔ "مگر یہ گھنگھرو؟" میں اس سے پوچھتا ہوں۔
"ٹانگ میں یہ گھنگھرو کیوں ہے؟"

وہ مسکراتا ہے: "آپ کہانی کے پورے بدن پر علامات، تجرید اور ابہام کے اتنے سارے گھنگھرو برداشت کر لیتے ہیں تو میرے اس ایک گھنگھرو سے کیا فرق آتا ہے؟ سُنئے میرا یہ گھنگھرو فضول نہیں ہے"۔ اس کی آواز تیز ہو جاتی ہے۔ "یہ میری ٹانگ کے قتل کی علامت ہے۔ اس گھنگھرو میں وہ گولی چیخ رہی ہے جو دو انسانوں کی جانیں بچانے کے صلہ میں مجھے عطا ہوئی"۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں۔

میں ندامت کے انداز میں کہتا ہوں: "آپ کے حالات سُن کر مجھے بڑا افسوس ہو رہا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس گھنگھرو کی آواز کو ضرور بلند کروں گا۔ آپ ایک بہترین قاری ہی نہیں بلکہ ایک بہترین کردار بھی ہیں۔ اچھا ایک بات بتلایئے۔ آپ کے گھر میں اور کون کون ہیں۔ کیا آپ کی شادی ہو چکی ہے؟"

"شادی؟" وہ چونک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ "معاف کیجئے اس موضوع پر پھر کبھی کہوں گا اس وقت میں رخصت چاہتا ہوں"۔۔۔۔۔ اتنا کہہ کر وہ فوراً مڑ جاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ واپس ہوتے وقت اس کی دوسری ٹانگ بھی متزلزل تھی۔ شاید میرے سوال نے اسے مضطرب کر دیا تھا۔ مگر میرا سوال اتنا اہم تو نہیں تھا۔ رسمی سا سوال تھا وہ۔ پھر وہ اتنا بے چین کیوں ہوا۔ کہیں اس سوال میں بھی کوئی گولی تو نہیں؟

اُس ملاقات کے بعد اس کے گھنگھرو کی آواز سے اب میرا ذہن منتشر نہیں ہوتا۔ میں چونکتا بھی نہیں ہوں۔ بلکہ اب جب بھی گھنگھرو کی آواز سنتا ہوں میری آنکھوں میں ایک منظر کھنچ آتا ہے۔ ایک سرخ منظر، اور میں سوچتا ہوں۔ پتہ نہیں اس بوڑھے اور معصوم بچے پر کیا گذری۔ کہیں وہ بھی پولس کی گولیوں کا نشانہ تو نہیں ہوئے؟

ایک دن میں اپنے پڑوسیوں سے نہایت ندامت سے کہتا ہوں۔

"اس شخص سے متعلق میں خواہ مخواہ بدگمان تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس دن میں نے ترش روئی کا مظاہرہ کیا"۔

ان میں سے ایک مسکراتا ہے "ہمیں علم تھا کہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اسے اچھی طرح نہیں جانتے۔ وہ ایک نہایت حساس انسان ہے۔ اس کا پورا دن لوگوں کی خبر گیری میں گذرتا ہے۔ کئی بار اس نے دوسروں کو اپنا خون تک دے دیا۔ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے جی رہا ہے۔"

دوسرا کہتا ہے "اپنے لئے تو وہ شاید مر چکا ہے۔"

میں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوں "یعنی؟ —— میں سمجھا نہیں۔"

"ہاں اس کی زندگی میں کچھ حادثے ایسے ہوئے ہیں جن کے باعث اس کی اپنی کہانی ختم ہو گئی۔ لیکن اس نے جست لگا کر خود کو ایک ہجوم سے جوڑ دیا۔ اب وہ دوسروں کی کہانیوں میں موجود ہے۔ یہ اس کی فتح ہے۔ وہ بہت بڑا فاتح ہے۔"

میں سوچتا ہوں۔ کیا کوئی کردار اپنے افسانہ نگار سے بھی بڑا ہو سکتا ہے۔ کیا کوئی افسانہ نگار کسی کردار کے سامنے خود کو شرمندہ، مجبور اور کمزور محسوس کر سکتا ہے۔ کیا کوئی لنگڑا شخص افسانہ کا ہیرو بن سکتا ہے۔ کیا کوئی لکڑی کی ٹانگ کسی سے ہمدردی حاصل کر سکتی ہے؟ میرا ذہن مختلف سوالات سے جگمگا اٹھتا ہے۔ گھنگھرو کی آواز۔ یہ ایک نغمہ ہے زندگی کی فتح کا۔ ایک طنز ہے سیاہ رات پر۔ سیاہ بُتوں پر۔

اور ایک شام اسی ریسٹورنٹ میں اس سے دوسری ملاقات ہوتی ہے۔ وہ کافی مطمئن اور پرسکون نظر آتا ہے۔

"آپ نے اس دن میرے ایک سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہاں —— دراصل اس وقت میرا دل بھر آیا تھا۔ کچھ کہنا میرے لئے بہت مشکل ہو گیا تھا۔ میں کسی کے سامنے آنسو بہانا پسند نہیں کرتا۔ سُنئے میرا ایک قتل اور ہو چکا ہے۔ ٹانگ کے قتل کے بعد ایک اور بڑا قتل۔" ....

"یعنی؟"

وہ کچھ سوچ میں کھو جاتا ہے۔ پھر سوچ میں گم نہایت آہستہ آہستہ کہتا ہے "بہت پیچھے کی طرف جانا پڑے گا۔ میری جوانی کی طرف..... بہت خوبصورت دن تھے وہ..... کوئی نازک سی لڑکی ایک مجوبہ بن کر میری زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ وہ ایک اونچے گھر کی لڑکی تھی مگر مجھ حقیر ذرہ میں سما گئی تھی۔ میری خاطر اس نے بہت سارے رشتے ٹھکرا دئے۔ خاندان سے بغاوت کر دی۔ اس نے عہد کیا تھا کہ وہ میرے لئے سب کچھ کر گذرے گی"

میں درمیان میں کہہ اٹھتا ہوں "ہاں ایسی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں کہ انسان اپنی پسند کیلئے بہت کچھ کر گذرتا ہے۔ اور محبت تو ایسا لفظ ہے جسکے اندر جادو کی ایک پوری کائنات کھڑی ہے۔ آپ بہت خوش قسمت تھے کہ آپ کو ایک ایسی لڑکی ملی"

وہ مسکراتا ہے "اس میں کوئی شک نہیں۔ میری خاطر وہ کار، بنگلے سب کچھ چھوڑنے پر تیار تھی۔ ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ فوراً شادی کر لیں گے۔ اور شادی کا دن بھی قریب آ گیا مگر......"

"مگر کیا؟"

"شہر میں فساد ہو گیا ـــــ" وہ خاموش ہو کر سامنے رکھے ہوئے گلاس کو ٹیبل پر گردش دیتا ہے پھر چند لمحوں بعد بہت بجھی ہوئی آواز میں کہتا ہے۔

"اس کے بعد کا واقعہ تو میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ دو بے گناہ انسانوں کی جانیں بچاتے ہوئے میں پولس کی گولی کا شکار ہوتا ہوں اور اسپتال میں میری ٹانگ کاٹ دی جاتی ہے"

"پھر ـــــ" میں آگے پوچھتا ہوں۔

وہ ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہے۔ "پھر..... جب میں اسپتال سے واپس آتا ہوں تو میری کٹی ہوئی ٹانگ دیکھ کر وہ شادی سے انکار کر دیتی ہے"

میں چونک اٹھتا ہوں۔ اس کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا ہوں۔ کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر کہہ نہیں پاتا۔ وہ بے حد سنجیدہ دکھائی دیتا ہے۔ میں نڈھال سا ہو جاتا ہوں۔

کچھ دیر خاموشی رہتی ہے۔

پھر میں بہت اداس لہجے میں کہتا ہوں "یہ سب جان کر مجھے بے حد دکھ ہوا۔ بہت افسوس

ہو رہا ہے۔ کچھ وحشت سی ہو رہی ہے۔ کیا کوئی محبوبا اتنی کم زور ہو سکتی ہے؟ ......" میں اٹھنا چاہتا ہوں مگر وہ روک دیتا ہے۔

"سنیے! ابھی کہانی ختم نہیں ہوئی ہے۔ تھوڑی اور ہے۔"

"کہیے!"

"کچھ دنوں بعد وہ ایک دولت مند گھرانے میں شادی کر لیتی ہے مگر شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کے شوہر کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے جس میں اس کی دونوں ٹانگیں چلی جاتی ہیں۔ اب اس کے شوہر کے پاس دونوں مصنوعی ٹانگیں ہیں ـــــــ" اتنا کہہ کر وہ اٹھ جاتا ہے۔ "چلیے۔ اب چلتے ہیں!"

میں اس کے ساتھ ریسٹورنٹ سے باہر آتا ہوں۔ وہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوتا ہے۔ "کھٹ۔ چھن ـــــــ کھٹ۔ چھن۔"

گھنگھرو کی آواز

آواز کی موج

موج کی طغیانی ـــــــ طغیانی کا شور۔

مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ گولیوں کی آواز پر چل رہا ہے۔

دراڑ

معلوم ہوتا ہے سورج آج پندرہ سال بعد نکلا ہے۔

آج وہ بہت سویرے اٹھ گئی ہے اور جب سے اٹھی ہے گھر میں سیلاب سا آگیا ہے ـــ سیلاب صاف صفائی کا ہے۔ کہیں بھی، کسی بھی طرف گرد و غبار کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ برتن چمک گئے ہیں۔ کھڑکیوں اور دروازوں کے پردے کھل اٹھے ہیں۔ الماریوں میں کتابیں سلیقہ سے سج گئی ہیں۔ مسہری کی چادر اور تکیوں کے غلاف بدل گئے ہیں۔ گلدانوں میں گلاب کے تازہ پھول آگئے ہیں۔ دونوں بچے جمی اور پپو بے داغ کپڑوں میں چمک رہے ہیں۔ فرش چم چم کر رہا ہے۔ ملازمہ اور ملازم بھی صاف لباس میں ہیں۔ پورا بنگلہ ہی نکھر آیا ہے۔

ابھی ابھی وہ بھی نہا کر باہر نکلی ہے۔ اس کے چہرے پر بے انتہا مسرّت اور تازگی ہے۔

"گلشن!" ـــ وہ ملازمہ کو آواز دیتی ہے۔

"جی، بی بی جی!"

"جاؤ ڈرائیور سے کہو گاڑی لے آئے۔ میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں اور دیکھو، جمّی اور پپّو باغ میں کھیل رہے ہیں، عبدل سے کہو ان کا خیال رکھے، ان کے کپڑے میلے نہ ہونے پائیں!"

"اچھا بی بی جی!"

وہ آئینہ میں خود کو دیکھتی ہے۔ آئینہ میں ماضی نظر آتا ہے اور ماضی میں شاہدہ کا چہرہ ـــ شاہدہ! اس کے بچپن کی سب سے عزیز سہیلی۔ کھیل کود، اسکول، کالج، پکچر، لائبریری، سیر و تفریح اور بچپن

سے لے کر جوانی تک ہر لمحہ یوں ساتھ رہنے والی، جیسے دونوں کا وجود ایک ہو، دل ایک ہو، روح ایک ہو لیکن شادی کے بعد بیچ میں ایک گہری دراڑ پڑ گئی۔ شاہدہ اپنے شوہر کے ساتھ افریقہ چلی گئی اور ——— پندرہ برس بیت گئے۔

"یہ پندرہ برس کیسے بیتے؟
جیسے کہ سورج نہیں نکلا، بہار نہیں آئی، زمین پر پانی کی ایک بوند بھی نہیں پڑی۔ جب کوئی بچھڑ جاتا ہے تو دل اور آنکھیں کتنی خالی کر جاتا ہے۔ لیکن نہیں ——— وہ سورج آج پھر نکلا ہے۔ آج پھر ہم دونوں ایک دوسرے کے پاس ہوں گے۔ اُف! دس بج گئے۔ شاہدہ کے آنے میں صرف دو گھنٹے باقی رہ گئے ہیں!

وہ جلدی سے ایک الماری کھول کر ساڑیوں کا جائزہ لیتی ہے۔
"ہونہہ! ایک بھی ٹھیک نہیں۔ آج کے دن تو میری جوتی بھی ان کی صورت نہیں دیکھے گی۔"
وہ دوسری الماری کھولتی ہے اور لٹکتی ہوئی ساڑیوں کی طرف سوچ سوچ کر انگلی اٹھاتی ہے۔

"یہ؟ ——— نہیں!"
"یہ؟ ——— اداس ہوں!"
"یہ؟ ——— پھیکی پھیکی!"
"یہ؟ ——— نہ نہ"
"یہ؟ ——— وحشت!"
"یہ؟ ——— ہونہہ! اُف، میرے پاس کتنی ساڑیاں ہیں!"
"یہ؟ ——— ہاں یہ ٹھیک رہے گی، کم بخت ادھر کونے میں چھپی تھی، کیوں؟"
ساڑی کھینچ کر وہ زیورات کی طرف لپکتی ہے اور زیرِ لب کچھ گنگنانے لگتی ہے۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد جب وہ تیار ہو کر باہر نکلتی ہے تو گلشن اور عبدل اسے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔
"ارے تم لوگ میری طرف یوں گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟"

گلشن مسکراتی ہے۔ "بی بی جی آج آپ بہت ہی اچھی لگ رہی ہیں۔ جیسے کوئی شہزادی۔"

"ہٹ! نام تو نام تیرا دماغ بھی گلشن ہے۔" وہ جلدی سے جمی کو اپنی گود میں لے لیتی ہے۔

"پاجی! آخر تو نے نیکر میلا کر دیا نا؟"

ڈرائیور اندر آتا ہے۔ "چلئے میم صاحب۔"

وہ نظر اٹھا کر پہلے تو چاروں طرف دیکھتی ہے، پھر خود کو۔ "میں ٹھیک تو ہوں نا؟ ــــــ

ہاں ہاں ٹھیک ہوں اور گھر بھی کیا چمک رہا ہے۔ شاہدہ میرے سلیقہ پر یقیناً بہت خوش ہوگی۔

وہ تو یہ سب کچھ دیکھ کر دنگ ہی رہ جائے گی۔ پتہ نہیں اس کا اپنا کیا حال ہوگا۔"

گاڑی میں بیٹھتے وقت وہ گلشن سے کہتی ہے۔ "تم بھی چلو۔ تم بچوں پر نظر رکھنا، کہیں بھیڑ میں کھو نہ جائے۔"

"جی اچھا بی بی جی۔"

گاڑی میں جمی پوچھتا ہے۔ "امی ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"بیٹے ہم ایئرپورٹ جا رہے ہیں۔ مہمانوں کو لانے کیلئے۔ وہ افریقہ سے آ رہے ہیں نا۔ اور دیکھو پپّو ــــــ" وہ پپّو کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ "کوئی شرارت نہ کرنا۔ وہ جب آئیں تو انھیں ادب سے سلام کرنا۔ تمہارے لئے بہت سی مٹھائیاں اور کھلونے لائیں گے وہ۔"

"تو پھر میں بھی انھیں چھلام کروں گا۔" جمی کہتا ہے۔

"ہاں بیٹے۔" وہ ہنس پڑتی ہے۔ "تم بھی چھلام کرنا۔"

گاڑی ایئرپورٹ کے احاطہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

جہاز کے آنے میں تھوڑی دیر رہ جاتی ہے۔

دفعتاً اس کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔ جہاز کی آواز فضا میں رس گھولنے لگتی ہے۔ ایک عجیب سی مٹھاس اس کے پورے بدن میں دوڑ جاتی ہے۔ "آج پندرہ سال بعد سورج پھر نکلا ہے۔" وہ جہاز سے اترنے والوں کو غور سے دیکھتی ہے۔

"شاہدہ!" اس کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلتا ہے اور وہ بے تابی سے آگے بڑھتی ہے۔

اسے دیکھ کر ہاتھ ہلاتی ہے۔

"آج پندرہ سال کا طویل فاصلہ ختم ہو جائے گا۔ آج وہ دراڑ بھی ختم ہو جائے گی۔ آج پھر ماضی سے ملاقات ہوگی ـــــــ اور لوگ کہتے ہیں کہ ماضی واپس نہیں آتا، ہونہہ، میں ٹھیک تو ہوں نا؟ .... ہاں ہاں ٹھیک ہوں۔ شاہدہ دیکھے گی تو سوچے گی میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ بنگلہ، کار، فیکٹری ـــــ ان پندرہ برسوں میں ہم نے کتنی ترقی کی ہے۔ وہ تو دنگ ہی رہ جائے گی یہ سب دیکھ کر"

اس کی نظریں سامنے اٹھتی ہیں۔ شاہدہ کے ساتھ اس کا شوہر بھی ہے۔ وہ دوڑ پڑتی ہے۔

"میری پیاری!"

قریب جا کر وہ بے اختیار اسے گلے لگا لیتی ہے: "اچھی تو ہو نا!" یہ کہتے ہی اس کی نظریں شاہدہ کے گلے پر پڑتی ہیں تو اچانک اس کے چہرے پر گہری اداسی پھیل جاتی ہے اور وہ اس سے یوں الگ ہو جاتی ہے جیسے بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو ـــــــ

شاہدہ کے سارے زیورات ہیروں کے ہوتے ہیں۔

برگد پر بسا ہوا گاؤں

اتنا گھنا کہ جیسے ایک پورا جنگل میرے سر پر۔
اتنا بلند کہ جیسے آسمان میرے کاندھوں پر۔
شاخیں ہی شاخیں ـــــ پتّے ہی پتّے ـــــ جیسے سبز خزانہ کا جھوم تا ڈھیر میرے بدن پر۔

یہ میں ہوں برگد کا ایک جوان درخت کہ برگد صرف بوڑھا ہی نہیں، جوان بھی ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگ اس گاؤں کو میری وجہ سے پہچانتے ہیں کیونکہ اس گاؤں کا نام سنتے ہی ان کے ذہن میں سب سے پہلے میرا چھتنار وجود سر ابھارتا ہے ـــــ سبز گھنا، بلند قامت اور دور تک پھیلا ہوا......
لیکن کچھ دنوں سے میری وجہ سے اس گاؤں میں ایک تنازعہ پیدا ہو گیا ہے۔ بڑا عجیب سا تنازعہ ہے۔ اتنے خوبصورت گاؤں میں ایسا تنازعہ؟ تعجب تو ہوتا ہے لیکن خوبصورتی تو بذاتِ خود ایک متنازعہ شئے ہے۔ اس کے بارے میں کوئی وضاحت کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس گاؤں کا تعارف کرا دوں۔
بڑا شریف گاؤں ہے یہ۔ یہاں ہندو بھی ہیں، مسلم بھی اور سکھ بھی۔ اس گاؤں کی سب سے بڑی خوبصورتی یہ ہے کہ اس کے دونوں کناروں کو دو ندیاں چھو کر گذرتی ہیں۔ برسات کے دنوں میں اکثر ان میں سیلاب آ جاتا ہے اور کبھی کبھی پانی اتنا بڑھ جاتا ہے کہ میری چھاؤں کو چوم کر واپس ہوتا ہے۔ بے حد حسین گاؤں ہے یہ۔ گھروں کی منڈیروں اور چھپّروں پر سیم، لوکی، تری اور کریلے کی بیلیں، آنگنوں میں مرچی اور سبزی ترکاریوں کے پودے۔ تلسی، گیندے کے پھول، دیواروں پر اُپلوں کی قطاریں۔ چولھوں سے اٹھتا اور ...... چھت، چھپّروں سے بلند ہوتا ہوا دھواں۔ توے پر باجرے کی روٹیاں، ہانڈیوں میں دال اور

ترکاریوں کی خوشبو۔ اِدھر اُدھر کھلیان، ندیوں پر کپڑے دھوتی ہوئی عورتیں، راہ میں چھلکتی ہوئی گاگروں کی قطاریں، پتنگ اُڑاتے اور گُلی ڈنڈا کھیلتے ہوئے بچے۔ اور اوپر ہواؤں کی گنگناتی ہوئی موجیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے پورا گاؤں رنگین خوابوں میں کھویا ہوا ہے۔ گاؤں سے کچھ فاصلے پر بڑے شہروں کی طرف جانے والی پکی سڑک ہے۔ ایک سمت سبز اور بھوری پہاڑیاں، جن کے دامن میں سرخ کویلو کے کچھ بنگلے، لیکن ان بنگلوں کا گاؤں سے کوئی تعلق نہیں، اگر کچھ ہے تو صرف اتنا کہ نظر آجاتے ہیں یا منظر میں شریک ہو جاتے ہیں۔

میں اُگا تو ہوں مانک رام کے گھر کے سامنے لیکن میری شاخیں کئی آنگنوں پر سایہ فگن ہیں۔ اگر میری ایک شاخ مہادیو کے آنگن پر جاتی ہے تو دوسری رحیم انصاری کے گھر کی منڈیر پر۔ تیسری مدن گروجی کی چھت تک پہنچتی ہے تو چوتھی شمبھو ڈھولکی کے چھپر تک، اور میرے نیچے گھنی چھاؤں میں ایک چھوٹا سا میدان، جہاں گاؤں کے بچے کھیلتے کودتے ہیں۔ گائے، بھینس اور بکریاں جگالیاں کرتی ہیں۔ کتے اونگھتے ہیں۔ اور مرغیاں ایک طرف کچروں کے ڈھیر کو اُلٹ پلٹ کرتی ہیں۔ میرے نیچے اگر بہت سے پریوار ہیں تو بہت سے پریوار میری شاخوں پر بھی ہیں۔ چیل، کوّے، بگلے، رنگ برنگی چڑیاں، چیونٹے، مکڑیاں اور سب سے بلند شاخ پر شہد کی مکھیوں کا چھتّہ اور پھٹی ہوئی پتنگیں ——— شاید کوئی نہیں جانتا کہ میری جڑیں اتنی لمبی ہیں کہ زیرِ زمیں سفر کر کے دونوں ندیوں کے نیچے سے اُس پار تک پہنچ گئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ پورا گاؤں میری جڑوں کے اوپر ہے لیکن کچھ دنوں سے میں پورے گاؤں میں یوں معتوب اور موضوعِ بحث ہوں کہ لگتا ہے میری حیثیت شجرِ ممنوعہ کی سی ہو گئی ہے۔ وجہ؟ وہی تنازعہ ہے جس نے ایک عجیب اور پُر اسرار انداز اختیار کر لیا ہے یا اسے دانستہ ایسا انداز دیدیا گیا ہے۔ میں ساری حقیقت اچھی طرح جانتا ہوں کیونکہ تمام مناظر کا چشم دید گواہ ہوں۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ خوبصورتی بذاتِ خود ایک متنازعہ شئے ہے۔ تو بات یہیں سے چلتی ہے۔

یہ متنازعہ شئے مہادیو کے گھر میں موجود ہے۔ اس کی لڑکی کلا (چندر کلا) اتنی خوبصورت ہے کہ اسے دیکھ کر..... گستاخی معاف، خود مجھے اپنے درخت ہونے کا شدید افسوس ہونے لگتا ہے۔ کندن کی طرح چمکتا ہوا رنگ، گلاب کے پھول کی طرح نازک جلد، بے انتہا سڈول اور مرمریں جسم اور چہرے کے نقوش اتنے تیکھے کہ دیکھنے والا مجسم چشمِ حیرت ہو جائے۔ یہ چندر کلا ہے یا طلسم کدہ؟ اکثر میں

سوچتا ہوں کہ اگر اتنی خوبصورت لڑکی شہر میں ہوتی تو یقیناً وہاں خون خرابہ ہو جاتا مگر چونکہ یہ گاؤں ہے اسلئے بات صرف برگد خرابہ تک پہنچی ہے۔ یعنی ساری آفت میرے سر آگئی ہے۔ اس کی وجہ کچھ یوں ہے۔

مانک رام کا لڑکا پرشی کر بہت دنوں سے اس لڑکی کے لئے مجنونانہ اور عجیب و غریب حرکتوں کا مرتکب ہو رہا تھا۔ مونچھوں کو تاؤ دینا، بالوں کو طرح طرح سے آراستہ کرنا، رنگ برنگے کپڑے پہننا، گلے میں رومال اور کمر پر انگوچھا باندھنا، انگلیوں میں چار پانچ انگوٹھیاں دکھانا، خوامخواہ ہنسنا، زور زور سے گانا اور اتنا جھوم کے چلنا کہ جیسے بیل نے پورا کھیت چر لیا ہو۔ مانک رام اپنے لڑکے کے اس سوانگ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا کہ بڑا بانکا اور سجیلا نکلا ہے اس کا بیٹا۔

یہ ساری باتیں تو اس تنازعہ کا "آغاز" ہے۔ اب میں اس اہم واقعہ کی طرف آتا ہوں جس کے باعث اس تنازعہ کی بنیاد پڑی۔ ہوا یہ کہ ایک سنسان دوپہر میں پرشی کر بہت چپکے سے میرے تنے پر چڑھتا ہوا اس موٹی شاخ پر پہنچ کر چھپ گیا جو مہادیو کے آنگن تک جاتی تھی۔ میں حیران ہوا کہ پرشی کر یہاں کیوں چھپا ہوا ہے مگر تھوڑی ہی دیر بعد جب میں نے آنگن میں کلا کو بال کھولتے ہوئے دیکھا تو سارا معاملہ سمجھ میں آگیا کہ وہ ٹاٹ کے پردے کے پیچھے نہانے کی تیاری کر رہی ہے اور اوپر میری شاخ پر پتوں کی اوٹ میں پرشی کر، سراپا چشم۔۔۔۔۔۔ کچھ لمحوں بعد کلا نے ساڑی کا پلو گرا دیا اور بلاؤز اتارنے لگی۔ بلاؤز اترا تو آنگن میں بجلی سی چمک اٹھی۔ پرشی کر کی حالت عجیب سی ہوگئی۔ چہرہ بھونچکا، آنکھیں پھٹی پھٹی ۔۔۔۔۔۔ ہاتھ پاؤں کپکپانے لگے اور سینہ یکدم تیزی سے پھولنے پچکنے لگا۔ کلا کمر تک عریاں۔ خوبصورت، سڈول اور کندن کی طرح جگ مگ کرتا ہوا جسم۔ سمندر کی طرح گرجتا ہوا شباب، یہ سارا منظر پرشی کر کی تاب و ضبط سے باہر لیکن آگے منظر اور زیادہ آتش افشاں تھا۔ بلاؤز اتارنے کے بعد وہ ساڑی اتارنے لگی۔ پرشی کر اور زور زور سے کپکپانے لگا۔ چہرہ لال ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔ آنکھیں اور پھٹ گئیں اور ساڑی جونہی اتری وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور آنگن میں "دھم" سے گر پڑا ۔۔۔۔۔۔ کلا چیخ اٹھی۔ اس کی ماں بھاگی ہوئی آئی۔ پرشی کر خود بھی اٹھ کر بھاگا۔

بظاہر تو بات یہیں ختم ہو گئی۔

لیکن مہادیو کے آنگن میں تغیر آ گیا۔ ٹاٹ کے پردے کی جگہ لکڑی کے تختے لگ گئے اور دونوں میاں بیوی میری اس شاخ کو بار بار گھورنے لگے جو اُن کے آنگن پر تھی۔ اس واقعہ کا تذکرہ انھوں نے کسی سے بھی نہیں کیا کیونکہ اس طرح انھیں اپنی عزت پر حرف آنے کا ڈر تھا۔ کلا کی شادی پاس کے گاؤں میں کسی بڑے گھرانے میں طے تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر چرچا ہوتا تو بات وہاں تک پہنچ جاتی۔ تو یہ تھی تنازعہ کی بنیاد۔ اس کے چند دنوں بعد مہادیو کی بیوی مہادیونی نے پرشی کر کی ماں سے چیخ چیخ کر کہا۔

"تمہارے برگد کے سارے پتّے میرے آنگن میں آ کر ڈھیر ہوتے ہیں۔ اس درخت کو کاٹ ڈالو، ورنہ ٹھیک نہ ہوگا۔"

پرشی کر کی ماں نے کہا "کسی میں ہمت نہیں جو ہمارے برگد پر آنکھ بھی اٹھا سکے۔ خبردار! آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کہنا۔ ورنہ ہاں!"

مہادیونی نے کہا "ورنہ ہاں کیا؟ اپنا برگد اپنے گھر میں سنبھال کے رکھ۔ اس نالائق اور منحوس پیڑ کی چھاؤں بھی ہمارے آنگن پر نہیں آنی چاہیے۔"

"اری تو اپنا آنگن لے کے جا یہاں سے۔ کل تک تو اس کی چھاؤں میں مہارانی کی طرح بیٹھ کر اُپلے تھاپتی تھی اب کیوں جل رہی ہے میرے برگد سے۔ اری منحوس اس کا احسان مان کہ اس نے تیرے پھیٹیچر آنگن کو دھوپ سے بچایا۔"

"خبردار! جو میرے آنگن کو پھٹیچر کہا، ارے میں تو تیرا جھونٹا نوچ لوں گی۔"

"اور میں تو تجھے اُپلوں کی طرح یوں تھاپ کر رکھ دوں گی۔ تھپ تھپ تھپا تھپ، ہاں!"

جھگڑا یوں چلا کر شام ہو گئی۔

پھر چند دنوں بعد اسی جھگڑے کی وجہ سے مہادیو اور مانک رام کے درمیان لاٹھی بازی کی نوبت تک آ گئی۔ گاؤں کے لوگوں نے جھگڑا تو خیر رفع دفع کر دیا لیکن کچھ ہی دنوں بعد مہادیو اور اس کی بیوی نے مجھے زمین سے جدا کرنے کا ایک نیا راستہ ڈھونڈ نکالا۔ میں سوچتا ہوں کہ ان تمام واقعات میں آخر میرا قصور کیا ہے لیکن میری بے گناہی کا گواہ کوئی بھی نہیں ہے۔ پرشی کر بھی خاموش ہے۔ وہ بھلا کیا کہے

گا۔ اس کے دماغ پر تو صرف کلا کی دھن سوار ہے۔

اب گاؤں میں بہادر لو اور بہادر لونی میرا چرچا اس طرح کرنے لگے ہیں۔

بہادر لو کہتا ہے "مدن گرو جی کچھ سنا تم نے؟ یہ برگد کا جو پیڑ ہے نا، اس پر بھوتوں کی ایک پوری فوج نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔ کل رات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"

"بہادر لو تمہیں وہم ہوا ہوگا۔ میں نے تو ایسا کبھی نہیں دیکھا"

"گرو جی میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے ان کے بادشاہ کو بھی دیکھا ہے۔ بہت ہی خطرناک ہے۔ انتہائی موٹا کٹا۔ کالا بھجنگ۔ اس کے ماتھے پر پانچ آنکھیں ہیں، لال لال"

"پانچ آنکھیں؟"

"ہاں، وہ ہر رات ہمارے گاؤں پر حملہ کرنے کا پروگرام بناتے ہیں۔ میں اپنے آنگن میں بیٹھ کر سب کچھ سنتا رہتا ہوں"

"اگر یہ سچ ہے تو بہت بری بات ہے"

بہادر لونی کہتی ہے۔

"عائشہ بہن۔ تم نے سنا ہوگا کہ آج کل اس منحوس برگد پر بھوتوں کی فوج رہنے لگی ہے۔ میں نے ان سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کا جو بادشاہ ہے نا، اس کے ماتھے پر پانچ کان ہیں"

"پانچ کان اور وہ بھی ماتھے پر؟"

"عائشہ بہن میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ کئی بھوتوں کے سر پر تو سینگ بھی ہیں۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو وہ پتوں کی آڑ میں سے نکل کر اچھلنا کودنا شروع کر دیتے ہیں۔ تم انصاری بھائی اور اپنے بیٹے خلیل سے بھی کہہ دو کہ ان بھوتوں سے ہوشیار رہیں۔ کل وہ میری روٹیوں کی پوری ٹوکری اٹھا لے گئے"........

"اچھا؟"

"ہاں بہن۔ گاؤں میں مصیبت آ گئی ہے اس نگوڑے برگد کی وجہ سے"

میں بے انتہا اداس ہو گیا ہوں۔ گاؤں کی گلی گلی میں میرا چرچا ہونے لگا ہے۔ جو بھی ادھر سے گذرتا ہے میری طرف یوں دیکھتا ہے جیسے میں خود کوئی آسیب ہوں۔ اب میری چھاؤں میں ننھے منے بچے نہیں کھیلتے۔ مویشی تو کیا اگر مرغیاں بھی آتی ہیں تو ان کے مالک انھیں ہنکار کر لے جاتے ہیں۔ چھاؤں ویران ہو گئی ہے۔ شام میں جب پرندے آکر مجھ پر بسیرا کرتے ہیں تو بھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں تنہا ہوں۔ صبح سویرے ان تمام پرندوں کی چہچہاہٹ بھی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ بادل اور دونوں ندیوں کو دیکھ کر بھی مجھے خوشی نہیں ہوتی۔ نرم اور مست ہواؤں سے بھی میرے اندر کوئی میٹھی لہر نہیں اٹھتی۔ ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ بدل گیا ہے لیکن میرا مالک مانک رام بے حد مضبوط آدمی ہے۔ وہ اپنی جگہ چٹان کی طرح اٹل ہے اور دن بھر ان تمام الزامات کی تردید کرتا رہتا ہے۔

"میں کہتا ہوں یہ سب بکواس، اور میرے برگد کے ساتھ سازش ہے۔ ارے یہ درخت تو وہ آکاش ہے جس کے نیچے بڑے بڑے مہاتماؤں کو گیان حاصل ہوا۔ ہمارے رشیوں، منیوں اور سنتوں نے اس درخت کو کتنا بلند درجہ دیا ہے۔ کیا تم سب کچھ بھول گئے؟ ایک قابلِ احترام درخت پر ایسے اوچھے الزامات ...... چھی چھی۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ہر شام جب سورج نیچے ڈھلکتا ہے تو اس کی شاخوں سے کتنی چھتنار شعاعیں پھوٹتی ہیں......"

مہا دیو داگھ حولدار سے کہتا ہے۔

"حولدار جی، تم تو اپنی سائیکل لے کر شہر چلے جاتے ہو اور کئی کئی دن ادھر کا رخ نہیں کرتے۔ تمہیں پتہ ہے آج کل گاؤں میں کیا ہو رہا ہے؟"

"ہاں میں نے کچھ سنا تو ہے۔"

"تو میں ایک بہت ہی اہم بات بتلاتا ہوں، پرسوں برگد کے بھوتوں نے تمہاری سائیکل پنکچر کر دی تھی۔"

"نہیں بھئی، دونوں پہیوں کے ٹیوب بہت پرانے ہو چکے تھے۔ انھیں بدلنا پڑا مگر تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے اپنے آنگن میں سے ان کی ساری باتیں سنی تھیں۔ کل رات شمبھو ڈھولکی کے چھپّر پر انھوں نے دو تین پتھر بھی پھینکے تھے۔ میں تو کہتا ہوں کہ ان بھوتوں سے چھٹکارا پانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ برگد کے پیڑ کو کاٹ دیا جائے ورنہ پورا گاؤں برباد ہو جائے گا۔"

ایک طرف شمبھو ڈھولکی کرتار سنگھ سے کہتا ہے۔

"سردار جی، کل شام میں تم کون سا گانا گا رہے تھے؟"

"ارے شمبھوئے تم نے بھی تو سنا تھا۔ میرا کوئی نہیں دنیا میں ست گورو سری اکال۔"

"واہ کیا پاٹ دار آواز ہے۔ مگر سردار جی! کل رات برگد کے بھوت تمہاری آواز کا بہت مذاق اڑا رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے وہ؟"

"کہہ رہے تھے کہ سردار جی کی آواز پھٹے بانس کی طرح ہے۔"

"ارے اُن بھوتوں کی ایسی تیسی۔"

"سردار جی ان بھوتوں نے میرے چھپّر پہ پتھراؤ کیا۔ میرا ایک مٹکا بھی توڑ دیا۔ ہمیں چاہئے کہ بھوتوں کے اس مسکن کو اکھاڑ پھینکیں۔"

ٹیپر ٹو شاہ رحیم انصاری سے کہتا ہے۔

"رحیم بھائی تم اپنے کرگھے پر دن رات کھٹ پٹ کھٹ پٹ کرتے رہتے ہو۔ ذرا گاؤں کا بھی تو خیال رکھو۔ بہت بڑی آفت آگئی ہے یہاں۔"

"کیسی آفت؟"

"نانک رام کے برگد پر بھوتوں کی فوج رہنے لگی ہے۔ وہ ہمارے گاؤں کا صفایا کر دے گی۔"

"ایک دم غلط بات ہے۔ میں نے تو ابھی تک کوئی بھوت نہیں دیکھا۔"

"لیکن میں نے تو دیکھا ہے۔ ایک بھوت کے ماتھے پر سات ناکیں تھیں اور ان ناکوں سے بھک بھک دھواں نکل رہا تھا۔ یہ ساری آفت برگد کے درخت کی وجہ سے ہے۔"

"تم نے خواب دیکھا ہوگا۔ میں نہیں مانتا۔ برگد کا درخت تو ہمارا ہمسایہ بھی ہے اور محسن

بھی۔ اس نے ہمیں چھاؤں دی ہے۔ اور بھوت کہتے کسے ہیں؟ یہ سب وہم ہے۔ بکواس۔ تم لوگ کبھی نہیں سدھروگے۔"

"رحیم بھائی تم نے میری بات سے انکار کر کے اچھا نہیں کیا۔ لگتا ہے تم گاؤں کا بھلا نہیں دیکھ سکتے۔ میں پنڈت جی اور رانا مکھیا سے تمہاری شکایت کر دوں گا۔"

"جاؤ کر دو۔ میں حق گو ہوں کسی سے ڈرتا نہیں۔"

گاؤں کی عورتیں اور جوان لڑکیاں بھی عجیب عجیب باتیں کرتی ہیں۔

"سنو بہا! اُس آسیبی درخت کے پاس سے کبھی نہ گذرنا۔ وہاں اوپر بھوتوں کی فوج ہے۔ ذرا بچ کے رہنا! گوری عورتوں کو وہ بہت پسند کرتے ہیں۔"

"گوری عورتوں کو بھوت ہی تو پسند کرتے ہیں۔ بے چاریوں کے نصیب......"

"میں نے سنا ہے شکنتلا کے گھر میں بھوت گھس گیا تھا۔"

"ہاں، اُس بھوت کے ماتھے پر بھی مونچھیں تھیں اور اس نے شکنتلا سے کہا تھا کہ میں شکنتلا ناٹک دیکھنے آیا ہوں۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر...... شکنتلا ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئی۔"

"تو کیا بھوت نے ناٹک نہیں دیکھا؟"

"دیکھا ہوگا، کسے پتہ۔"

ہری لو مرچی والا کہتا ہے: برگد کے درخت کو فوراً کاٹ ڈالنا چاہیے ورنہ بہو بیٹیوں کی عزت مٹی میں مل جائے گی۔"

میں شب و روز ساری باتیں سنتا رہتا ہوں۔ پورے گاؤں میں دس بارہ لوگ ہی میری حمایت میں ہیں۔ باقی سب یہ کہتے ہیں کہ مجھے کاٹ دیا جائے۔ میں بہت ہی رنجیدہ اور فکر مند ہوں۔ کیونکہ بہادری کی حمایت میں رانا مکھیا بھی ہے، وید جی اور پنڈت جی بھی۔ آگے موت کے سوا مجھے اور

کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ موت نہیں بلکہ قتل۔ میں دیکھتا ہوں کہ مہادیو اکثر اپنے آنگن میں بیٹھ کر اپنی کلہاڑی کو سان لگاتا رہتا ہے۔ میں اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ میں نے زندگی کے لئے جتنی جدوجہد کی تھی سب بے کار ہو گئی، اسی زندگی کیلئے تو میں نے اپنی جڑیں کتنی دور دور تک پھیلا دی تھیں تاکہ میں صدیوں زمین پر سایہ فگن رہوں۔ گاؤں کے ننھے منے بچے میری چھاؤں میں کھیلتے رہیں اور یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہے لیکن جب میں اپنی سنسان چھاؤں کو دیکھتا ہوں تو مجھے بے حد تکلیف پہنچتی ہے۔ کوئی بھی بچہ میرے قریب نہیں آتا۔ برسات کا موسم آ گیا ہے۔ بادل جھوم جھوم کے آ رہے ہیں۔ بھیگی بھیگی مست ہوا چلنے لگی ہے۔ لیکن اس بار میری شاخوں پر ایک بھی جھولا نہیں ڈالا گیا۔ ورنہ ہر سال برسات میں مجھ پر کتنی بہار رہتی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس خوبصورت گاؤں کو کیا ہو گیا ہے۔ پرشی کرنے جو غلطی کی تھی اس کی سزا مجھے کیوں دی جا رہی ہے۔ کیا مجھے کاٹنے کے بعد مہادیو کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ کیا کلا کو نگاہ غلط سے پھر کوئی نہیں دیکھے گا؟ ـــــ ایک دو دن سے سننے میں آ رہا ہے کہ گاؤں کی چوپال پر میرے بارے میں پنچایت ہوگی۔ مجھے کاٹنے کا حکم نامہ تیار کیا جائے گا۔ میرا مالک بہت غصہ میں ہے۔ وہ پورے گاؤں سے جھگڑا کرنے کیلئے تیار ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میرے جیتے جی کوئی میرے برگد کو خراش بھی نہیں پہنچا سکتا۔ رحیم انصاری، خلیل، جگتاپ، شنکر پٹیل اور ایکناتھ وغیرہ مانک رام کی حمایت میں ہیں۔ ان سب کا کہنا ہے کہ ہم اس درخت کو گاؤں سے جدا نہیں ہونے دیں گے۔ میں بہت الجھن میں مبتلا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ گاؤں میں خون خرابہ ہو جائے۔ میں بے زبان ہوں، نہ تو کسی کو اپنی بے گناہی کا ثبوت دے سکتا ہوں اور نہ ہی وہ واقعہ بتلا سکتا ہوں جس کے باعث یہ آندھی چلی ہے۔ ابھی ابھی پتہ چلا ہے کہ پنچایت آج رات میں ہی ہوگی۔ گاؤں کے لوگوں میں بڑا جوش و خروش ہے۔ مانک رام بھی بے انتہا طیش میں ہے۔ لاٹھی لے کر پورے گاؤں میں گشت کرنے لگا ہے۔ کئی لوگوں سے تو تو میں میں بھی کر چکا ہے مگر لوگ بھی مجھے ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ پنچایت ہونے کے اعلان پر خوشی میں اچھل کود رہے ہیں جیسے پہلے سے جانتے ہیں کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا۔

لیکن شام میں ہلکی ہلکی بارش ہو جانے کی وجہ سے رات میں پنچایت نہیں ہو سکی۔ رانا مکھیا نے اعلان کر دیا ہے کہ پنچایت اب دو تین دن بعد ہوگی۔ جب آسمان صاف رہے گا۔

شاید میری زندگی کے چند دن اور بڑھ گئے ہیں۔ کاش آسمان پر ہمیشہ گھنگھور گھٹائیں چھائی رہیں اور پنچایت کبھی نہ ہو سکے۔

آج میں صبح سے بہت زیادہ اداس ہوں۔ کیونکہ آسمان بالکل صاف ہے۔ یقیناً آج رات پنچایت ضرور ہوگی۔ رانا مکھیا نے بھی آج کی پنچایت کا اعلان کر دیا ہے۔ شام ڈھل چکی ہے اور بادلوں کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ میں بار بار آسمان کی طرف دیکھتا ہوں مگر لگتا ہے کہ آسمان بھی مجھ سے خفا ہے۔ ایک ایک لمحہ مجھ پر بہت بھاری گذر رہا ہے۔

چوپال پر روشنی کر دی گئی ہے۔

لوگ رات کا کھانا کھا کر گھروں سے باہر نکلنے لگے ہیں۔

لوگ چوپال کی طرف جانے لگے ہیں۔

لوگ چوپال پر جمع ہونے لگے ہیں۔

لوگ چوپال پر بیٹھ کر کھسر پھسر کرنے لگے ہیں —— میں اپنی جگہ سے سارا منظر دیکھ رہا ہوں۔ چبوترے پر رانا مکھیا، ویدجی، پنڈت جی، مہادیو، شمبھو ڈھولکی، واگھ حوالدار اور گاؤں کے بوڑھے لوگ براجمان ہو چکے ہیں۔ ایک طرف مانک رام، پرشی کر، رحیم انصاری، خلیل، شنکر پٹیل، جگتاپ اور ایکناتھ وغیرہ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک سمت عورتیں ہیں۔

پنڈت جی پنچایت کی کاروائی شروع کرتے ہیں۔

"گاؤں کے مہان باسیو! آپ سب کو یہاں اسلئے بلایا گیا ہے کہ ہمارے گاؤں میں کچھ دنوں سے بھوتوں کی ایک فوج نے مانک رام کے برگد پر پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ ہمارے گاؤں میں اب تک جتنے بھی نقصانات ہوئے ہیں، انھیں بھوتوں کی کارستانیاں ہیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ ان بھوتوں نے ہمارے گاؤں کو تباہ کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ یہ بھوت شکنتلا ناٹک بھی دیکھتے ہیں اور برگد کا

وہ درخت ان کی کمین گاہ ہے جہاں سے چھپ چھپ کر وہ ہم پر حملہ کرتے ہیں، اسلئے اگر وہ درخت کاٹ دیا جائے تو بھوتوں کا اڈہ ہی ختم ہو جائے گا۔"

مہادیو کہتا ہے "میں ایسا سمجھتا ہوں کہ پنڈت جی کے ارشاد کے بعد اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بہت سے لوگوں نے ان بھوتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے۔ یہاں سب اس بات کی گواہی دینے کے لئے تیار ہیں۔"

ایک ساتھ بہت سی آوازیں اٹھتی ہیں "ہم سب گواہی دیتے ہیں۔"

پنڈت جی ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کراتے ہیں اور رانا مکھیا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ رانا مکھیا، مانک رام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پنڈت جی مانک رام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

"مانک رام تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"ہاں" مانک رام کھڑے ہو کر کہتا ہے "میرے درخت کے بارے میں ابھی جو کچھ بھی کہا گیا ہے اس میں کوئی بھی صداقت نہیں ہے سب من گھڑت قصے ہیں۔ اس طرح کی باتیں تو کسی کے بھی بارے میں اڑائی جا سکتی ہیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ کچھ لوگ مجھ سے اپنی دشمنی نکال رہے ہیں۔ میں صاف کہتا ہوں کہ میرے جیتے جی کوئی میرے درخت کا پتہ بھی نہیں ہلا سکتا۔"

رحیم انصاری کہتے ہیں "اس درخت کے بارے میں خواہ مخواہ افواہیں پھیلا دی گئی ہیں۔ میں خود اس کی چھاؤں میں رہتا ہوں مگر ابھی تک نہ تو میں نے کوئی بھوت دیکھا نہ میرا کوئی نقصان ہوا۔"

"میں نے بھی کوئی بھوت نہیں دیکھا" خلیل زور سے کہتا ہے "یہ درخت تو اس گاؤں کی شان ہے۔ اتنا عظیم درخت دور دور تک کسی بھی گاؤں میں نہیں ہے۔ ہمیں اس پر فخر کرنا چاہئے کہ اس کی چھاؤں میں ہمارے بہت سارے بچے کھیل کر بڑے ہوئے۔"

جگتاپ کہتا ہے "اسے کاٹنا بھاری انیائے ہوگا۔ میں ہرگز اسے کاٹنے کے حق میں نہیں ہوں۔"

مہادیو کہتا ہے "تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بھوت ہمارے گاؤں کو نیست و نابود کر دے۔"

"بھوت کہیں اور نہیں بلکہ تمہارے دماغ میں گھسے ہوئے ہیں۔" ایکساتھ برہم ہو جاتا ہے۔

"ہمارے گاؤں کی پیار بھری نشانی کو تم ختم کرنے پر تلے ہو مجھے سب کچھ معلوم ہے کہ یہ ہوا تم نے اڑائی ہے۔"

مہادیو بھی غصہ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔" ایکناتھ! میں سمجھ گیا کہ تم مجھ سے پچھلے سال کا بدلہ لے رہے ہو۔ کرتار سنگھ اور پیر و شاہ بھی گواہ ہیں کہ تمہارے بیل کو میں نے نہیں لنگڑا کیا تھا۔"

خلیل کہتا ہے۔" میں نے خود دیکھا تھا کہ تم نے ایکناتھ کے بیل پر لاٹھی سے حملہ کیا تھا۔"

پنڈت جی کھڑے ہو کر سب کو خاموش کراتے ہیں۔

" بھائیو! ہم بیل کے بارے میں نہیں بلکہ برگد کے بارے میں فیصلہ دینے کیلئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آج وقت کی سب سے اہم پکار یہ ہے کہ اپنے گاؤں کو بھوتوں کے وجود سے پاک کردیں۔ اگر ہم بحث کرتے رہے تو کوئی بھی فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔ اسلئے میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ سب کی رائے لے لی جائے۔ لہٰذا جو لوگ برگد کو کٹوانے کے حق میں نہیں ہیں وہ اپنے اپنے ہاتھ اوپر کریں۔

اور میں یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ جاتا ہوں کہ اتنے بڑے مجمع میں صرف دس بارہ ہی ہاتھ اٹھے ہیں۔ ارے! ان ہاتھوں میں تو پرشی کر کا ہاتھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ کہاں گیا وہ؟ میں حیرت سے ادھر ادھر دیکھتا ہوں اور جب نیچے اپنے تنے کے پاس دیکھتا ہوں تو بھونچکا رہ جاتا ہوں۔ دو سائے ایک دوسرے سے ہم آغوش ——— ایک سایہ کلا کا ہے اور دوسرا پرشی کر کا۔ اُس کی آواز آتی ہے۔

" کلا! جس دن سے میں نے تمہیں اس حالت میں دیکھا ہے، میں ابھی تک سو نہیں سکا ہوں۔"

" کیا تمہیں زیادہ چوٹ آئی تھی؟" کلا کی آواز آتی ہے۔

میں حیران و ششدر سوچتا ہوں کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ بات اور آگے بڑھ گئی ہے۔ اب تو مجھے واقعی کاٹ دیا جائے گا۔ شاید آج میری آخری رات ہے۔ میں مایوس ہو کر چوپال کی طرف دیکھتا ہوں۔

رانا مکھیا فیصلہ سنا رہا ہے۔

"مالک رام! تمہیں پورے گاؤں کا فیصلہ ماننا پڑے گا۔ لڑائی جھگڑے کی کوشش بالکل

مت کرنا۔ ایک درخت کیلئے خون خرابہ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر تم نے ہمارا فیصلہ نہیں مانا تو تمہارا گھر بھی یہاں دکھائی نہیں دے گا۔ پنڈت جی نے ابھی ابھی کہا ہے کہ یہ شبھ کام کل صبح سورج نکلتے ہی ہو جانا چاہئے لہٰذا کل منہ اندھیرے اس درخت کی کٹائی شروع ہو جائے گی۔"

چوپال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھتا ہے۔ لوگ خوشی میں اچھلتے کودتے ہیں سیٹیاں بجاتے ہیں اور مانک رام اپنے ساتھیوں کے ساتھ سر جھکائے ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے واپس ہوتا ہے۔ واپسی میں وہ رحیم انصاری سے صرف اتنا کہتا ہے۔

"اگر میرا درخت کاٹا گیا تو میں مہادیو کے ساتھ اور کئی لوگوں کو ختم کر دوں گا۔"

میں اوپر سے نیچے تک پورا درد میں ڈوب گیا ہوں۔ میری تمام شاخوں اور پتوں نے دم سادھ لیا ہے۔ میں نے جو سوچا تھا صحیح ثابت ہوا ہے۔ یہ واقعی میری آخری رات ہے۔ کل مجھے اس زمین سے جدا کر دیا جائے گا۔ میرے بعد ان پرندوں کا کیا ہوگا جو مجھ پر بسیرا کرتے ہیں۔ ایک جہان تو مجھ پر بھی آباد ہے۔ یہ چیل، کوّے، بگلے، چڑیاں، چیونٹے، مکڑیاں، شہد کی مکھیاں، ان سب کا گھر بکھر جائے گا۔ گاؤں والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ صرف مجھے نہیں بلکہ ایک چھوٹے سے معصوم جہان کو بھی قتل کر رہے ہیں۔ ارے ! ہوا میں یہ ٹھنڈک اور سوندھی سوندھی خوشبو کیسی؟ میں اوپر دیکھتا ہوں۔ اوپر آسمان سیاہ نظر آتا ہے۔ اچانک بجلی چمکتی ہے تو دیکھتا ہوں کہ پورا آسمان کالے کالے بادلوں سے ڈھک گیا ہے۔ اور ان میں بے پناہ ہیجان ہے۔ میں خوشی میں جھوم اٹھتا ہوں۔

ہوا تیز ہو کر سیٹیاں بجانے لگتی ہے۔

اندھیرا اور گہرا ہو جاتا ہے۔

اور اچانک بہت زور کا شرّاٹا آتا ہے۔

بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑکتی ہوئی آواز میں دھواں دھار بارش کا شور.....

دیکھتے ہی دیکھتے ندی نالے بھر جاتے ہیں۔ شکریہ اے طوفانِ باد و باراں۔ اگر تو صبح

تک جاری رہا تو ممکن ہے گاؤں خونِ ناحق کے داغ سے بچ جائے۔ مگر یہ کیا بارش تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے بلکہ اور بھی طوفانی ہو گئی ہے۔ پورا گاؤں جاگ اٹھا ہے۔ ہوا کے زور سے بہت سے چھپر اڑ گئے ہیں۔ کئی درخت زمیں بوس ہو چکے ہیں۔ لوگ مندروں میں جا کر گھنٹیاں بجانے لگے ہیں۔ میں جس طرف بھی دیکھتا ہوں پانی ہی پانی نظر آ رہا ہے۔ اچانک گاؤں میں شور مچتا ہے۔

" بھاگو! دونوں ندیوں میں بہت بھاری سیلاب آگیا ہے۔ بھاگو۔ بھاگو......"

اور جب بجلی چمکتی ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ دونوں ندیوں کا پانی گاؤں میں گھس آیا ہے۔ پانی کمر سے بھی اونچا ہو گیا ہے۔ لوگ گاؤں سے نکل کر شمال کی سمت بھاگ رہے ہیں اور دونوں ندیوں میں بہت گہرا اور بلند موجیں اٹھ رہی ہیں۔ ہوا بہت جوش میں ہے۔ بارش بے انتہا تیز اور چاروں طرف طوفان ہی طوفان......

مانک رام، رحیم انصاری، جگتاپ، شنکر پٹیل، ایکناتھ وغیرہ سب اپنے اپنے گھروں کے افراد کے ساتھ جا چکے ہیں۔ گاؤں تقریباً خالی ہو گیا ہے۔ کچھ لوگ بیچ میں پھنس کر چیخ رہے ہیں..... میں گھبرا کر کہتا ہوں۔ اے طوفان باد و باراں، اب رک جا! لیکن کچھ زوردار موجیں آ کر میرے تنے سے ٹکراتی ہیں اور پھر مسلسل ٹکراؤ...... شڑاک! شڑاک!!

پتہ نہیں رات کا کون سا پہر ہے۔
سیلاب گاؤں کے سینے پر سے گذر رہا ہے۔
اندھیرا بہت گہرا ہے...... پانی کا بہاؤ بہت تیز۔

میں مایوس ہو کر گاؤں کی طرف دیکھتا رہتا ہوں۔ بہت کچھ بہہ گیا ہے۔ جو بچ گیا ہے وہ پانی میں ہے۔ دفعتاً محسوس ہوتا ہے کہ طوفانی ہوا رک گئی ہے۔ بارش بھی بند ہو چکی ہے اور سیلاب کا پانی آہستہ آہستہ میرے تنے سے نیچے اتر رہا ہے۔

صبح ہوتی ہے تو میری شاخوں پر پرندے اپنے پروں کو زور سے جھٹک کر چہچہاتے ہیں۔

ندیاں اپنے پھیلاؤ سمیٹ لیتی ہیں۔ زیرِ آب گاؤں دوبارہ نمودار ہوتا ہے لیکن کھنڈر کی شکل میں۔ سب کچھ برباد ہو چکا ہے۔ جو لوگ سیلاب میں پھنس گئے ہیں اور جن بے شمار لوگوں نے میری شاخوں پر پناہ لے کر اپنی جانیں بچائی ہیں۔ ان میں سے چند نام اس طرح ہیں۔

مہادیو۔ مہارلوئی۔ کلا۔ شمبھو ڈھولکی۔ رانا مکھیا۔ پنڈت جی اور مدن گرو جی وغیرہ — وہ لوگ جو رات میں کہیں اور چلے گئے تھے، اپنے شکستہ گاؤں میں واپس آ رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ اب سزا کی بجائے میرے قدموں پر سیندور، پھول اور ناریل چڑھائے جائیں گے۔ لوگ میرے تنے کو احترام و عقیدت سے چومیں گے لیکن شاید کسی کو خبر نہیں ہے کہ اس وقت میں صرف اپنے توازن پر کھڑا ہوں اور بس کچھ ہی وقت کا مہمان ہوں، کیونکہ سیلاب نے میرے تنے کے نیچے سے ساری جڑیں کاٹ دی ہیں۔

عہد کا فاصلہ

دوپہر میں جونہی وہ گھر پہنچا اس کی بیوی نے کہا
" صبح دس گیارہ بجے کوئی آدمی آیا تھا وہ آپ کو پوچھ رہا تھا"
" کون آدمی تھا؟"
" پتہ نہیں کون تھا، ممکن ہے آپ کا کوئی دوست یا شناسا ہو"
" تم نے اُس کا نام نہیں پوچھا؟"
" نہیں، میں نے اس سے کہہ دیا دوپہر میں آیئے تو وہ مل جائیں گے"
" کون ہو سکتا ہے؟ ....." وہ سوچ میں کھو گیا۔ ایک ایک کر کے اپنے تمام دوستوں، شناساؤں اور ملنے جلنے والوں کے چہروں کو آنکھوں میں روبرو کرنے لگا۔ شاید یہ آیا ہو..... یا شاید یہ آیا ہو..... یا شاید یہ .....
ذرا ہی دیر میں آنکھوں میں چہروں کا میلہ لگنے لگا اور منظر زیادہ الجھ گیا۔
" تمہیں اس کا نام پوچھ لینا چاہیے تھا"
" آپ اس کے بارے میں اتنا کیوں سوچنے لگے۔ ہوگا کوئی۔ چلئے کھانا کھایئے۔ اسے ملنا ہوگا تو دوبارہ آئے گا"
" ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر....."

کھانا کھاتے وقت بھی وہ اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ کون تھا وہ۔ ممکن ہے کوئی دوسرے شہر سے آیا ہو، یا کوئی اجنبی ہو لیکن اس نے سراسر غلطی کی ہے۔ اسے جاتے وقت اپنا نام وغیرہ تو بتلا دینا چاہئے تھا......"

"آپ ابھی تک سوچ رہے ہیں؟"

"ہاں سوچنے کی تو بات ہے کہ کوئی مجھ سے ملنے آیا اور مل نہ سکا۔ ہو سکتا ہے اسے میری کوئی ضرورت ہو، ہو سکتا ہے کہ اس کا اپنا کوئی مسئلہ ہو اور وہ مشورہ یا مدد چاہتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے جاننے والوں میں کوئی بیمار ہو اور وہ خبر دینے آیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ......"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن آپ اتنے پریشان کیوں ہیں، میں نے کہا نا کہ اسے ملنا ہوگا تو دوبارہ آئے گا۔"

"اور اگر دوبارہ نہیں آیا تو؟"

"تو کیا؟ نہ آئے، اس کی مرضی۔"

"کیا تم اس کا لباس اور حلیہ وغیرہ بتلا سکتی ہو؟"

"ہاں ـــــ نیلی پینٹ، سفید قمیض، سانولا رنگ، درمیانہ قد، الجھے ہوئے بال....."

"یہ تو تم میرا حلیہ وغیرہ بتلا رہی ہو۔"

اس کی بیوی ہنسنے لگی "نہیں وہ آپ سے بہت مختلف تھا۔ کپڑے ذرا میلے تھے۔ بال تھوڑے سفید تھے اور چہرے سے کچھ پریشان لگ رہا تھا۔"

"میرے دوستوں اور شناساؤں میں تو ایسا کوئی نہیں۔ کیا راشد نے دیکھا تھا اسے؟"

"نہیں راشد تو صبح دس بجے اسکول چلا گیا تھا۔"

"ہوں" وہ سوچ میں کھو گیا۔ دفعتاً اس کے چہرے پر ایک چمک سی آگئی۔ وہ یقیناً منوہر فریم میکر ہوگا، الجھے ہوئے بال تو اس کے ہی ہیں۔ اس نے بیوی سے کہا "میں باہر جا رہا ہوں، کچھ دیر بعد واپس آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ گھر سے نکل کر دو تین چوراہے پار کرتا ہوا منوہر کی دوکان پر پہنچا۔

"ارے تم!؟" منوہر نے اسے دیکھ کر مسرت سے کہا "آؤ بیٹھو، میں کئی دنوں سے تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"سوچ رہے تھے! تو کیا تم میرے گھر پر تم نہیں آئے تھے!؟"

"نہیں تو! لیکن میں نے سوچا تھا آج شام میں تم سے ضرور ملوں گا۔ اچھا ہوا تم خود آگئے۔"

وہ سوچ میں کھو گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"ہوں!" وہ چونکا "آج صبح دس گیارہ بجے کوئی مجھ سے ملنے آیا تھا مگر افسوس کہ اس وقت میں گھر پر موجود نہیں تھا۔ پتہ نہیں کون تھا وہ "

"بھابھی نے اس کا نام نہیں پوچھا؟"

"نہیں!"

"ممکن ہے سعید آیا ہو۔"

"سعید سے تو آج صبح ہی ملاقات ہو گئی تھی۔"

"خیر چھوڑو، آیا ہوگا کوئی ...... "

"مگر کسی کے گھر پر کوئی فضول نہیں پہنچتا۔ ممکن ہے کوئی ضرورت مند ہو۔ کوئی اہم مسئلہ ہو اس کے نزدیک۔ کوئی خاص کام ہو۔ کہیں وہ خلیل تو نہیں تھا؟"

"کون خلیل؟!"

"وہ رکشہ والا۔ بے چارہ اکثر پریشان رہتا ہے۔ ابھی پچھلے ہفتہ اس کے بچے کو اسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا تھا مگر اسے تو میری بیوی جانتی ہے تو پھر کون تھا!" وہ سوچنے لگا۔

"بھئی خوامخواہ اپنے ذہن پر اتنا بوجھ مت ڈالو۔"

"منو! بوجھ صرف ذہن پر ہی نہیں دل پر بھی ہے کہ کوئی مجھ سے مل نہ سکا۔ اسے یقیناً میری ضرورت ہوگی، وہ کوئی امید سے آیا ہوگا۔"

"ہاں یہ تو صحیح ہے مگر...... اسے دوبارہ آنا چاہئے تھا"

"ہو سکتا ہے کسی مشکل میں پھنس گیا ہو"

منوہر کی دوکان سے واپس ہوتے وقت اس نے محسوس کیا کہ اس کی الجھن میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ وہ شخص جو بھی تھا، ملاقات نہ ہونے پر یقیناً اسے افسوس ہوا ہوگا۔ کاش میں اس وقت گھر پر موجود ہوتا......

اچانک کسی نے بائیں سمت سے اسے آواز دی "انصاری!"

وہ چونک کر رک گیا، اُدھر دیکھا تو اس کا ایک پرانا دوست کُتب بردار تھا۔

اس نے کہا "صابر! اتنی ساری کتابیں کہاں لئے جارہے ہو؟"

"یہ کتابیں ایک کباڑیئے کے ہاں بہت سستی مل گئی ہیں۔ سنو، ان میں سے ایک کتاب میں نسخۂ کیمیا گری بھی ہے"

"یعنی کہ اب تم سونا بنانے کی کوشش کروگے" وہ مسکرایا "مگر یہ مت بھولو کہ ہر کیمیا گر ایک دن اپنے تجربہ خانہ میں پے درپے کئی فلک شگاف قہقہے لگانے کے بعد جنگل کی سمت بھاگتا ہے اور کیمیا گر کی بجائے قہقہہ گر بن جاتا ہے"

صابر نے ہنستے ہوئے کہا "قہقہہ تو سونے سے بھی قیمتی ہے۔ پلاٹینم ہے پلاٹینم..... لیکن تم بے وقت ادھر کہاں؟"

یار آج دس گیارہ بجے کوئی گھر پر مجھ سے ملنے آیا تھا مگر میں اسوقت موجود نہیں تھا۔ افسوس۔"

"افسوس کیوں؟ ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایسے واقعات تو بہت ہوتے ہیں"

"میں سوچ رہا ہوں کہ ملاقات نہ ہونے پر وہ پریشان ہوا ہوگا۔ ممکن ہے کوئی بہت اہم کام سے آیا ہو"

"تو اس کی فکر تم کیوں کر رہے ہو۔ اس طرح تو بہت سے لوگ آتے اور جاتے رہتے ہیں"

"ہاں یہ تو صحیح ہے مگر ایک بات بتلاؤ۔ تمہاری عدم موجودگی میں جب کوئی تمہارے گھر آتا ہے اور تمہیں بعد میں پتہ چلتا ہے تو اس کا تم پر کیا ردِ عمل ہوتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ میں کوئی اذیت نہیں دیتا۔ کوئی سو بار بھی آجائے تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی سامنا ہونے پر میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بھئی دوسروں کے فراق میں ہم اپنا وقت کیوں خراب کریں۔ اس قسم کے لوگ تو ہمیشہ چکّر لگاتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی تو گھر پر موجود ہو کر بھی میں اپنے بچے سے کہہ دیتا ہوں کہ جا کر کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں، یا کبھی کھانا کھاتے رہتا ہوں تو کہلوا دیتا ہوں کہ ابھی میں کھانا کھا رہا ہوں، تھوڑی دیر بعد آؤ۔ دراصل یہ لوگ اپنی کسی غرض سے مجبور ہو کر آتے ہیں۔ ان کا اپنا کوئی ذاتی واویلا ہوتا ہے۔ مگر تم مجھے اتنی حیرت سے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"حیرت سے نہیں دیکھ رہا ہوں۔" اس نے مختصراً کہا۔ "افسوس سے دیکھ رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ پتھروں کا عہد ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ پتہ نہیں کب ختم ہوگا۔ تم کتابیں بہت پڑھتے ہو۔ مجھ سے زیادہ علم تمہارے پاس ہے۔ تم جانتے ہو گے کہ انسان کی اصل شناخت اس کے احساسات سے ہوتی ہے۔ خیر تم فنِ کیمیاگری سیکھو۔ میں چلوں .... پھر ملیں گے۔"

اس کے قدم ایک شناسا کی طرف بڑھے جو اپنے ننھے منّے بچے کو گود میں لئے گھر کے سامنے ٹہل رہے تھے۔

"شکور بھائی! آج دس گیارہ بجے کیا تم میرے مکان پر آئے تھے؟"

"نہیں تو، میں تو اس مُنّے کے پیچھے میں کئی دنوں سے بہت پریشان ہوں۔ عجیب نمونہ ہے یہ۔"

"خیریت تو ہے۔ کیا ہوا اسے؟"

"اسے انگوٹھا ہو گیا ہے۔"

"یعنی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یعنی کہ یہ بے وقوف دودھ کی بوتل کو منہ لگاتا ہی نہیں بس ہر وقت بن داس انگوٹھا چوستے رہتا ہے۔"

"بن داس؟"

"ہاں یعنی کہ بے دھڑک۔ انصاری بھائی یہ شاید دودھ کی بوتل کو انگوٹھا اور انگوٹھے کو دودھ کی بوتل سمجھ بیٹھا ہے۔ اگر زبردستی اس کے منہ میں نپّل لگا دو تو برا مان جاتا ہے اور کھسیا کر رونے لگتا ہے...

بیٹے مُنے ۔ ذرا دیکھو تو، تمہارے انکل آئے ہیں۔ کیا آج تم انکے گھر پر گئے تھے ؟ بیوقوف ، یہ انگوٹھا میرا ہے ۔ چھوڑ ۔"

وہ وہاں سے چلا تو راستے میں ایک جگہ اس نے اپنے ایک بے تکلف دوست کے گھر پر آواز دی ۔

"صدیقی !"

چند ہی لمحوں میں اس کے لڑکے نے دروازے پر آ کر کہا: "ابا آپ کو اندر بلا رہے ہیں"

وہ اندر گیا تو اس نے دیکھا کہ صدیقی پلنگ پر لیٹا ہوا تھا ۔ اسے دیکھتے ہی اس نے کہا ۔

"یار تم بے وقت کیسے ٹپک پڑے ۔ آج میں بہت زیادہ مصروف ہوں"

وہ ہنسنے لگا: "پلنگ پر ٹانگیں پسارے پڑے ہو اور کہہ رہے ہو کہ بہت مصروف ہوں ۔ اسی کو کہتے ہیں کام کوڑی کا نہیں اور مصروفیت دنیا بھر کی"

"ذرا دھیرے بولو ۔ بازو والے کمرے میں تمہاری بھابھی سنے گی تو خوش ہو جائے گی کیونکہ یہی بات وہ بھی کہتی ہے مگر یہ سچ ہے کہ میں بہت مصروف رہتا ہوں ۔ ہاں تو جلدی سے کہو، کس طرح آنا ہوا ؟"

"یار آج دس گیارہ بجے کوئی میرے گھر آیا تھا ، میں موجود نہیں تھا ۔ وہ چہرے سے ذرا پریشان لگ رہا تھا ۔ میری بیوی نے اس سے کہہ دیا کہ دوپہر میں آؤ ۔"

"تو پھر ؟"

"میں نے اس کا چار بجے تک انتظار کیا مگر وہ آیا ہی نہیں ۔ نا معلوم کون تھا ۔ ہو سکتا ہے کوئی دکھ درد کا مارا ہو ۔"

"تو اس کیلئے تم کیوں پریشان ہو ۔ ایسے لوگ دنیا میں بے انتہا ہیں ۔"

"وہ میرے یہاں آیا تھا اسلئے میں اس کی خاطر مضطرب ہو گیا ہوں ۔"

"تمہارا اضطراب درست نہیں ۔" صدیقی ہنس پڑا ۔ "لگتا ہے کہ تم بیسویں صدی کے انسان نہیں ہو ۔ انسان کو اتنا حساس نہیں ہونا چاہئے ۔ بھئی برا نہ مانو تو ایک بات کہوں ۔ کہیں تم نفسیاتی مریض تو نہیں ہو ؟"

وہ مسکرایا ۔ "اگر دوسرے انسان کے حالات اور جذبات کا احساس رکھنا کوئی بیماری ہے تو بے شک میں نفسیاتی مریض ہوں لیکن جو لوگ دوسروں کے جذبات کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ کون ...... ؟"

"بس بس ، بکواس بند کرو ۔ ابھی میں بہت مصروف ہوں ۔ جلدی بولو ۔ چائے پیو گے یا کافی ؟"

پانچ بجے جب وہ گھر واپس ہوا تو تھکا تھکا سا صوفہ پر نیم دراز ہو گیا۔ راشد اسکول سے واپس آ چکا تھا۔

"بیٹے راشد! صبح کیا تم نے اس شخص کو دیکھا تھا؟"

"کس شخص کو؟"

"وہی جو مجھے پوچھ رہا تھا"

"نہیں، میں صبح اسکول چلا گیا تھا"

اس کی بیوی نے کہا "کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ دوپہر میں ہی میں نے کہہ دیا تھا کہ راشد اسکول جا چکا تھا اس کے بعد بھی اس سے پوچھ رہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ وہ شخص آپ کے دماغ پر سوار ہو گیا ہے۔ چھوڑیئے اس کا فراق، اس کی غرض ہو گی تو دوبارہ آئے گا"

شام تک کچھ مصروفیات میں الجھا رہنے کے باعث وہ اسے بھول گیا مگر رات کا کھانا کھانے کے بعد جب ٹہلنے کی غرض سے گھر سے نکلا تو وہ شخص پھر یاد آ گیا۔ اس نے اسکے خیال کو ذہن سے جھٹکنا چاہا مگر جھٹک نہ سکا۔ سوچا کہ دوستوں میں بیٹھ کر خیال بٹ جائے گا اسلئے دوستوں کی محفل میں پہنچ گیا لیکن وہاں پہنچا تو تذکرہ اسی کا نکل آیا۔

"میں نے سنا ہے کہ آج تم کسی شخص کو ڈھونڈھ رہے تھے" ایک دوست نے کہا۔

"ہاں ــــــ" وہ مسکرایا "کہیں وہ تم تو نہیں تھے"

"نہیں"

دوسرے نے کہا "صابر کہہ رہا تھا کہ سہ پہر میں تم نے اس پر طنز وغیرہ کر دیا تھا"

"طنز؟ ــــــ" اس نے ان کی طرف سنجیدگی سے دیکھا "میں پتھروں اور بے حس لوگوں پر طنز کرنا فضول سمجھتا ہوں"

"مگر تم اس شخص کو ڈھونڈھ کیوں رہے تھے؟"

"ڈھونڈھ نہیں رہا تھا بلکہ خود اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اسے مزید زحمت نہ ہو۔ اس کا وقت ضائع نہ ہو، اسے بار بار چکر نہ لگانا پڑے ...... جاوید! یہ ایک طرح کا تعاون ہے مگر افسوس کہ اس سے ملاقات نہ ہو سکی"

"اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ تم نے اپنا وقت ضائع کیا" دوسرے نے کہا۔

"شاہد، تم نے غلط نتیجہ اخذ کیا۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ملاقات نہیں ہوئی یہ الگ بات ہے۔"
"ایسا لگ رہا ہے کہ تم خود کو اگلے وقتوں میں محسوس کر رہے ہو۔" جاوید نے قہقہہ لگایا۔ "بھئی دور بدل گیا ہے۔ اس دور میں پرانا بن کر جینا بہت مشکل ہے۔"
"دور نہیں بدلا ہے۔ انسان بدل گئے ہیں۔ ان کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز بدل گیا ہے۔" وہ مسکرایا۔
"انسان اتنا نہیں بدلا جتنا تم سمجھ رہے ہو۔"
"ہاں یہ بھی صحیح ہے۔ ابھی اس میں اتنا اخلاق تو ہے کہ جب کوئی اس کے دروازے پر آتا ہے تو گھر میں موجود ہونے کے باوجود یہ کہلوا دیا جاتا ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہیں، لیکن ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ جب وہ خود ہی دروازے پر آ کر کہہ دے گا کہ میں گھر پر موجود نہیں ہوں۔"
"یہ اخلاق اور احساس والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"
"تم کردار اور ضمیر کو بھی نہیں مانتے ہوگے۔"
"ماننے کی ضرورت بھی کیا ہے۔" شاہد نے کہا۔ "اگر یہ سب ماننے لگ جائیں تو زمانے کے ساتھ چلنا مشکل ہو جائے گا۔ بلکہ زمانہ کچل ہی ڈالے گا۔ یہ بہت تیز اور ترقی یافتہ دور ہے۔ آج کردار، اخلاق، فرض، احساس اور ضمیر وغیرہ سب بے معنی اور بے وقعت ہو چکے ہیں کیونکہ انسان ہزاروں مسائل میں الجھ گیا ہے۔"
"دوست! کردار اور اخلاق وغیرہ بے معنی ہرگز نہیں ہیں اور یہ سارے مسائل تو خود انسان کے پیدا کردہ ہیں تاکہ وہ تمام اخلاقیات اور ذمہ داریوں وغیرہ سے فرار حاصل کر سکے۔ میرے نزدیک یہ سب خود غرض اور بے حس بننے کی اداکاریاں ہیں۔ کامیاب انسان وہی ہے جو اپنی سطح سے ذرا بھی نہ ہٹے۔"
"اگر سامنے نقصان یا خطرہ ہو تو تھوڑا مڑنا پڑتا ہے۔" جاوید نے ہاتھ لہرایا۔
"ہاں لیکن مڑنے کا بھی ایک شریفانہ انداز ہوتا ہے۔" وہ مسکرایا۔
"اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ انسان کو عقل کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔"
"ہاں لیکن سیاست کا نہیں۔"
"انصاری! تمہاری ساری باتیں آج کے ماحول میں سفید جھوٹ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تم اتنے آدرشی اور مصنوعی آدمی کیسے بن گئے؟"
"تم لوگوں کی صحبت کا ردِعمل ہے۔" وہ ہنسا۔

"تمہارے گھر جو کوئی آیا تھا ممکن ہے وہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچانا چاہتا ہو۔"

"ممکن ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مجھ سے کوئی مدد چاہتا ہو..... اچھا ایک بات بتلاؤ، میری جگہ اگر تم ہوتے تو تم کیا کرتے؟"

جاوید نے زور سے قہقہہ لگایا۔ "میں تھوڑی عقل رکھتا ہوں، تمہاری طرح خود اس تک پہنچنے کی کوشش ہرگز نہیں کرتا۔ میرے یہاں بہت سے لوگ آتے ہیں، کچھ لوگ انتظار کر کے بغیر ملے واپس چلے جاتے ہیں۔ اس کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہوتا، کیوں اہمیت دوں انھیں میں؟"

"تو ایک بات بتلاؤ، تم اپنے اس کرایہ دار سے ناراض کیوں رہتے ہو جس نے تمہیں چھ مہینے سے درشن نہیں دیا، تم اس کے گھر بار بار جاتے ہو اور ملاقات نہ ہونے پر کھسیا کر سب طرف اس کی شکایتیں کرتے ہو اور اس ڈاکٹر کو برا بھلا کیوں کہہ رہے تھے جس کے دروازے پر تم نے ایک رات کو دو بجے بہت سی آوازیں دی تھیں لیکن اس نے کوئی بھی جواب نہ دیا۔"

"یہ سب الگ باتیں ہیں۔"

"خیر جانے دو۔" وہ ہنسنے لگا۔ "میرے خیالات بھی تھوڑے الگ ہیں۔ میں اس عہد کا خواب دیکھ رہا ہوں جو صرف تمناؤں اور آرزوؤں میں موجود ہے اور جہاں انسان بے حد خوبصورت ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ایک حد تک مایوس ہو۔"

"مایوس اس لئے ہوں کہ اس عہد تک ابھی فاصلہ زیادہ ہے۔"

"یہ فاصلہ شاید کبھی ختم نہ ہوگا۔"

"اسی لئے تو اس شخص کو ڈھونڈھ رہا ہوں کیونکہ میں فاصلہ برداشت نہیں کر پاتا۔"

بدن گشت بادبان

مرے اندر
گرجتا اک سمندر ——
سمندر میں چمکتے بادلوں کا عکس، نیلا آسماں لرزاں
سرِ ساحل سنہری ریت پہ موجوں کا شرّاٹا
افق تا بہ افق
ہنستی ہوئی لہروں کا ریشم رقص
ہوا کے پنکھ پر رقّاص قطروں کے بدن جگنو
روپہلے جھاگ، مونگے، سیپ کا جادو بھرا منظر
مگر

اندر بہت اندر
کسی کی جستجو میں چپ
کوئی طوفان کا لشکر
پسِ لشکر ——
کوئی شے پھڑپھڑاتی ہے
پرندہ ہے؟ ستارا ہے؟

یا کوئی بادباں ہے
نہیں معلوم کس جانب رواں ہے
لیکن مصوّر اتنا ضرور جانتا ہے کہ جیسے کوئی صدیوں سے اس کا منتظر ہے۔ کوئی پُرکشش، کوئی ہیجان انگیز، کوئی طلسماتی اشارہ اُسے اپنی سمت کھینچ رہا ہے، یا وہ خود اپنی زندگی کا سارا سمندر سنبھالے اس روشن نقطہ کی طرف بڑھ رہا ہے جو پوری کائنات پر محیط ہے، یا سب سے زیادہ حسین ہے، یا سب سے زیادہ پُراسرار۔

وہ جنرل کمپارٹمنٹ کے ایک گوشہ میں بیٹھا بظاہر بھاگتے ہوئے مناظر کو دیکھ رہا ہے لیکن اس کے ذہن پر پچھلے موسموں کے شگوفوں اور پھولوں کا آبشار گر رہا ہے اور آبشار پر یادوں کی قوسِ قزح جلوہ نما ہے۔ کمپارٹمنٹ بھرا پڑا ہے لیکن وہ مسافروں کی آوازوں اور ٹرین کی سیٹیوں سے بے نیاز پھولوں کے آبشار کی خوشبو اور نغمگی میں گم ہے۔

اس کا ذہن کئی سال پیچھے کی طرف جست لگاتا ہے۔

ایک دوپہر ——— آئی ہوئی ڈاک میں ایک اجنبی تحریر دیکھ کر اس کے دل میں ایک گلابی سی کہکشاں ابھرتی ہے۔ وہ سکرا دیتا ہے کہ بہت دور کوئی لڑکی جیسے مصوری سے بے پناہ لگاؤ ہے اس کی بنائی ہوئی تصویریں نمائش میں دیکھ کر انتہائی متاثر ہو گئی ہے۔ وہ تحریر کا جواب لکھتا ہے۔ ایک ہفتہ بعد اجنبی تحریر پھر سامنے آتی ہے۔ وہ پھر جواب لکھتا ہے۔ تحریر پھر آداب کرتی ہے۔ وہ پھر مخاطب ہوتا ہے اور اس طرح تحریروں کا پورا ایک شہر آباد ہو جاتا ہے۔ راستے، گلیاں، عمارتیں اور باغ وغیرہ سب تحریروں کے۔ کاغذات پر آباد یہ شہر خوابوں سے زیادہ حسین اور حقیقت سے زیادہ چمکدار محسوس ہوتا ہے۔

اس خوبصورت شہر کی بُنیاد بھی بہت انجانے میں پڑتی ہے۔ ایک دن اخبار میں وہ ایک بڑے شہر میں ہونے والی نمائش کی تفصیلات دیکھتا ہے تو جانے کیا سوچ کر اپنی بھی کچھ پینٹنگس روانہ کر دیتا ہے جو نمائش میں شریک ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد ہی اس کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس آغاز کے کچھ ہی دنوں بعد اسے احساس ہوتا ہے کہ اجنبیت کی دیوار گر چکی ہے اور فاصلے اتنے

سمٹ چکے ہیں کہ وہ ہر لمحہ اپنے چہرے پر اس کی سانسوں کی موجوں کا اتار چڑھاؤ محسوس کرتا ہے۔ اب سے پہلے وہ صرف تنہا تھا، اس کی زندگی مصوری کے سفر کے سوا اور کچھ نہ تھی مگر اب اس میں ایک ایسا خوبصورت موڑ آگیا ہے کہ جہاں کھڑے ہو کر وہ کہکشاں کو چھو سکتا ہے۔ چاند کو چوم سکتا ہے اور ستاروں کو کھینچ کر اپنے مکان کی چھت پر اور اپنے آنگن میں بکھرا سکتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ ایسا جذبہ، ایسا تصور اس میں پہلے کبھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس کے خیالات میں شاعری کے ابرِ رِہاکا یہ جھما کا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ کون سا جذبہ ہے جو احساسات کو شاعری کا پیرہن عطا کرتا ہے۔ لڑکیاں تو اس نے بہت سی دیکھی تھیں۔ خوبصورت، نازک، گلابی و چمپئی۔ لیکن اس کے دل و دماغ پر ایسی لڑکی کیوں حاوی ہو گئی جسے اس نے دیکھا بھی نہیں، جو اس سے ہزار کلومیٹر دور ہے۔ یہ جادو نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ یونیورسٹی کی ایک طالبہ کو اتنی دور سے دیکھ رہا ہے۔ فاصلے شاید ہزاروں آنکھیں رکھتے ہیں۔

کچھ عرصہ بعد ایک دن تحریر کے ہمراہ اس کی تصویر بھی آتی ہے جسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے نیلی گھٹاؤں کے درمیان کوئی چمپئی رنگت کی بجلی چمک اٹھی ہو۔ وہ سر سے پاؤں تک منور ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ کر خوش بھی ہوتا ہے کہ انجانے میں اس کا انتخاب زیادہ خوبصورت رہا ہے۔ جواب میں وہ اپنی بھی تصویر بھیجتا ہے۔ اور تحریروں کا شہر رفتہ رفتہ زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور زیادہ قابلِ اعتبار —— پھر ایک خوشگوار ہوا چلتی ہے۔ پھولوں کی کچھ پنکھڑیاں جسم سے ٹکراتی ہیں اور ایک خواہش ابھرتی ہے۔ بادِ شمال اور بادِ جنوب کے ارتکاز کی۔ ایک دوسرے سے ملنے کی خواہش۔ یہ خواہش بہت سارے دنوں پر محیط ہو جاتی ہے۔ پھر ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور وہ رات قریب ہو جاتی ہے جب وہ بادِ شمال کی سمت پیش قدمی کے لئے رختِ سفر باندھتا ہے

چوبیس گھنٹوں کا اکتا دینے والا سفر ——
کھڑکی سے باہر گذرتے ہوئے مناظر —— پیچھے بھاگتے ہوئے شہر —— شور کرتی ہوئی

ہوائیں ـــــــ چیختی ہوئی برق رفتار ٹرین۔ اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ طوفان پر سوار ہے۔ وہ سوچتا ہے۔ زندگی میں طوفان کبھی کبھی ہی اٹھتا ہے۔ طوفان جب بھی آتا ہے، بہت کچھ تبدیل کر جاتا ہے۔ کسے معلوم کہ یہ طوفان زندگی کو کون سا رُوپ دے گا۔ ممکن ہے کہ اس کتاب کے تمام اوراق کو مُصَوَّر کر دے۔ وہ لمحہ کتنا خوبصورت ہوگا جب وہ پہلی بار اس پیکرِ بادِ شمال کو دیکھے گا۔ کیا وہ اسے پہچان سکے گا، یا کیا وہ اسے پہچان جائے گی؟ اگر یوں نہ ہوا تو بڑا خوبصورت حادثہ ہو جائے گا۔ مزہ آئے گا۔ وہ مسکراتا ہے۔

اور ٹھیک چوبیس گھنٹوں بعد اس کے قدم اس سرزمین پر ثبت ہوتے ہیں جس کے خواب وہ بہت عرصہ سے دیکھ رہا تھا۔ اجنبی لوگ، اجنبی شہر اور اس شہر میں وہ خود اجنبی۔ اس کے قدم ایک ہوسٹل کی طرف بڑھتے ہیں۔

دوسرے دن صبح سویرے جب وہ تیار ہو کر ہوسٹل سے نکلتا ہے، تو لگتا ہے جیسے اجنبی شہر کی گلیاں اسے سلام کر رہی ہوں اور سیمیں کرنوں نے اس کے جسم پر زرہ بکتر سا بُن دیا ہو۔ وہ مسرت بھری نگاہوں سے چاروں سمت دیکھتا ہے۔ ہر شئے چمکدار نظر آتی ہے۔ فضا میں ایک عجیب سی خوشبو کا احساس ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ زندگی کا سب سے خوبصورت دن ہے کہ بادِ جنوب اور بادِ شمال ایک دوسرے سے ہمکلام ہوں گے۔ اس پہلی ملاقات کو وہ کینوس پر ضرور نقش کرے گا اور اس لمحہ کو رنگوں میں قید کر کے اسے ایسا تہ در تہ روپ دے گا کہ وہ ہمیشہ متحرک محسوس ہوگا۔ اس کی نگاہیں سامنے کھڑے ہوئے ایک رکشہ پر مرکوز ہو جاتی ہے۔

"کہاں چلئے گا جناب؟"

"یونیورسٹی ہوسٹل" وہ رکشہ میں بیٹھ جاتا ہے۔

"کون سا ہوسٹل؟"

وہ ہوسٹل کا نام بتلاتا ہے

کچھ ہی لمحوں بعد رکشہ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ادھر اُدھر خوبصورت کیاریاں، شاداب پیڑوں کی قطاریں، سبزہ زار، یونیورسٹی کی عمارتیں، ...... وہ شفاف راستوں کی

طرف دیکھ کر سوچتا ہے۔ ان راستوں پر اس کے قدموں کے نشانات ثبت ہوں گے۔ وہ روزانہ ادھر سے گذرتی ہوگی، ممکن ہے زیرِ رہگذر یہاں کوئی کہکشاں محوِ خواب ہو، یا کوئی پھولوں کا دریا موجزن ہو، کتنا خوبصورت راستہ ہے یہ۔ کاش اسی راستے پر اس سے سامنا ہو جائے۔ سامنے سے کچھ لڑکیاں آتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ ان کی طرف غور سے دیکھتا ہے مگر سب اجنبی محسوس ہوتی ہیں۔

رکشہ ہوسٹل کے احاطہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

"آج اتوار ہے نا، اسی لئے گیٹ کھلا ہوا ہے۔" رکشہ والا کہتا ہے۔

وہ ہوسٹل کے سامنے کھڑے ہو کر ایک کاغذ پر اس کا نام اور روم نمبر لکھ کر چوکیدار کی طرف بڑھتا ہے۔ دفعتاً ایک اندیشہ سر اُبھارتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ چھٹیوں کی وجہ سے وہ ہوسٹل میں نہ ہو اور اپنے گھر واپس ہو گئی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یہ طویل سفر بے کار ہو جائے گا اور کیا اس صورت میں وہ واپس جانے کے قابل رہ سکے گا؟ اس کا دل کانپنے لگتا ہے۔ ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں ـــــ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے چوکیدار کے قریب پہنچ کر وہ کاغذ اس کی طرف بڑھا دیتا ہے۔ چوکیدار کاغذ پر نام دیکھنے کے بعد اسے واپس کر دیتا ہے۔

"معاف کیجئے۔ ہوسٹل میں اس وقت کوئی بھی لڑکی نہیں ہے۔ سب یونیورسٹی کے تھیٹر میں میٹنی شو دیکھ رہی ہیں۔"

"تھیٹر کہاں ہے؟"

"اس طرف چلے جائیے۔"

وہ تھیٹر کی سمت روانہ ہوتا ہے۔ چلتے چلتے وہی اندیشہ پھر اُبھر آتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وہاں بھی موجود نہ ہو، لیکن وہ اس کی دی ہوئی تاریخ کے مطابق بروقت یہاں پہنچا ہے۔ اگر وہ نہیں ملی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے زبردست مذاق کیا ہے۔ مگر نہیں! وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتی۔

تھیٹر کے پاس پہنچ کر وہ گیٹ کیپر کو اس کا نام بتلا کر کہتا ہے۔ "وہ اندر ہال میں ہیں مجھے ان سے فوراً ملنا ہے۔"

"فوراً ملنا ہے؛" گیٹ کیپر اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے "آپ ایسا کیجیے کہ اندر جا کر کچھ بھی دیکھ لیجیے اور انھیں تلاش بھی کر لیجیے"

"شکریہ" ——— اندر پہنچ کر وہ ادھر ادھر نظریں دوڑاتا ہے مگر اندھیرے سے شکست کھا کر ایک کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ کوئی انسیبی اور ڈراؤنی فلم رہتی ہے وہ۔ کچھ لمحے تو اس کی نگاہیں اسکرین پر مرکوز رہتی ہیں پھر کہیں اور چلی جاتی ہیں۔ شاید کھو جاتی ہیں۔

سناٹا، گہرا سناٹا ——— اور چاروں طرف ریگستان۔ آسمان خالی۔ دور تک کوئی پیڑ بھی نہیں۔ ہر طرف ریت ہی ریت۔ وہ ننگے پاؤں ریت پر دوڑتا ہے۔ ہوا کے بہاؤ میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ سیٹیاں سی بجنے لگتی ہیں۔ ریت اڑنے لگتی ہے۔ یکے بعد دیگرے کئی بگولے اٹھتے ہیں۔ ایک بگولہ بہت قریب سے گذرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس میں ایک ندی چمک رہی ہے۔ بگولہ اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیتا ہے۔ وہ بگولہ کے ساتھ گردش کرتا ہوا بہت دور چلا جاتا ہے۔ اتنی دور کہ فلم ختم ہو جاتی ہے۔ وہ چونک اٹھتا ہے۔

چند لمحوں بعد وہ باہر آتا ہے اور ایک ناریل کے درخت کے پاس کھڑے ہو کر تھیٹر سے باہر نکلنے والوں کو دیکھنے لگتا ہے۔ ایک سمت رنگ برنگے کپڑوں میں بہت ساری لڑکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ہر ایک کے چہرے کو غور سے دیکھتا ہے مگر ہر چہرہ اجنبی لگتا ہے۔ پھر اس کی نظریں سرخ اور سفید دوپٹہ میں سب سے الگ تھلگ آنے والی دو لڑکیوں پر پڑتی ہیں۔ پھر وہ چاروں طرف دیکھتا ہے مگر وہ چہرہ کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ وہ نروس ہو جاتا ہے۔ پھر سوچتا ہے دوبارہ ہوسٹل جانا چاہئے۔ اگر وہ شہر میں موجود ہے تو ممکن ہے ملاقات ہو جائے۔ یہ سوچ کر وہ تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔

لڑکیوں کے بڑے سے غول کے بیچ میں سے گذرتے وقت اس کے دل میں ایک خواہش ابھرتی ہے کہ کاش ان میں سے کوئی اس کا نام لے کر اسے آواز دیدے۔ اگر وہ غول میں ہوگی تو یقیناً اسے پہچان جائے گی۔ لیکن اس کی طرف کوئی آواز نہیں لپکتی۔ رنگین، پر شباب اور شاداب غول میں بات چیت اور ہنسی قہقہے موجزن رہتے ہیں۔ آگے راستے میں وہی

دونوں لڑکیاں، ہوسٹل کی طرف جاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ سرخ دوپٹے والی لڑکی کو دیکھ کر سوچتا ہے۔ غضب کے لانبے بال ہیں اس کے، کمر سے بھی نیچے تک پہنچ گئے ہیں اور کتنے چمکدار ہیں۔ کاش اس کے بال بھی ایسے ہی لانبے ہوں۔ وہ ان کے پاس سے گذرتا ہے تو دونوں اس پر اچٹتی سی نگاہیں ڈالتی ہیں۔ پھر پیچھے سے ایک فقرہ لپکتا ہے۔

"نیا آدمی ہے۔"

وہ دل ہی دل میں مسکراتا ہے اور سوچتا ہے کہ ان لڑکیوں نے کیسے جان لیا کہ وہ یہاں نیا ہے۔

ہوسٹل پہنچ کر وہ چوکیدار کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے۔ اندیشہ کے باعث دل ڈوبنے لگتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ملاقات نہ ہو سکے۔ تذبذب، تشویش اور تشکک کی وجہ سے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔ چوکیدار غالباً پہچان لیتا ہے۔

"کیوں صاحب، ملاقات نہیں ہوئی؟"

"جی نہیں۔ تھیٹر میں اتنی ساری لڑکیوں میں تلاش کرنا بہت مشکل تھا۔"

"ذرا دیر ٹھہریے۔ ابھی ساری لڑکیاں واپس آجائیں گی۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے؟"

وہ نام بتلا دیتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں لڑکیاں واپس آتی ہیں۔ وہ آنکھوں میں امید کا سمندر سنبھالے نہایت بے چینی سے دیکھتا ہے مگر وہ چہرا نظر نہیں آتا۔ پیچھے سے کچھ لڑکیاں اور آتی ہیں۔ چوکیدار کہتا ہے۔

"وہ دیکھئے، وہ آرہی ہیں۔"

اس کی نگاہ سرخ دوپٹہ والی لڑکی پر پڑتی ہے۔ پھر منعکس ہو کر اور کئی لڑکیوں پر دوڑتی ہے۔ سرخ دوپٹہ والی لڑکی اسے ایک نظر دیکھ کر آگے جانے لگتی ہے۔ وہ سمجھ نہیں پاتا کہ چوکیدار نے کس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"سنئے!" چوکیدار نام لے کر سرخ دوپٹہ والی لڑکی کو آواز دیتا ہے۔ "آپ کے وزیٹر آئے ہیں۔"

اس کا دل یک بیک جیسے بہت زور سے اچھل پڑتا ہے۔ یعنی کہ وہ یہی سرخ دوپٹہ والی ہے! تعجب ہے! اس کا جی چاہا کہ خوب زور سے قہقہہ لگائے۔ اتنی زور سے کہ ہوسٹل کے ٹیرس پر بیٹھے ہوئے سارے کبوتر اڑ جائیں۔

وہ زینہ تک پہنچنے کے بعد پلٹ کر واپس آتی ہے ـــــ ایک نظر نہایت خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر اس کے قدم لان میں بچھی ہوئی کرسیوں کی طرف اٹھتے ہیں۔

"پہچانا تم نے مجھے؟" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مسکرا کر کہتا ہے۔ "میں سمتِ جنوب سے آیا ہوا مصور ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ تم ابھی مجھے پہچان نہ سکیں۔"

وہ خاموش رہتی ہے۔

دونوں کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔

"میں نے تمہیں تھیٹر کے پاس بھی دیکھا تھا اور راستے میں بھی، مگر پہچان نہ سکا۔ اچھا یہ بتاؤ مجھے دیکھ کر وہ فقرہ کس نے کہا تھا کہ 'نیا آدمی' ہے۔"

"میں نے ـــــ وہ مسکراتی ہے۔

"خوب!" ـــــ وہ ہنستا ہے۔ "مگر تم نے یہ کیسے جانا؟"

"لباس سے۔ یہاں سفید سفید کوئی نہیں پہنتا۔"

پھر وہ کئی سوال کرتی ہے۔ "کب آئے ہو۔ کہاں ٹھہرے ہو۔ شہر کیسا لگا؟"

وہ تمام سوالوں کا جواب دینے کے بعد کہتا ہے۔ "تمہارے شہر میں مچھر بہت زیادہ ہیں۔"

"باہر سے آجاتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بے ساختہ کہتی ہے۔

"شاید تمہارا روئے سخن میری طرف ہے۔ تو سنو..... " وہ ہنس پڑتا ہے۔ "کبھی کبھی پتھر بھی مجھ سے کلام کرنے لگتے ہیں۔" وہ مسکراتی ہے۔ پھر دھیمی آواز میں کہتی ہے۔ "مجھے یقین نہ تھا کہ تم آؤ گے۔"

"مجھے بھی یقین نہ تھا کہ تم ملو گی، لیکن یہ ملاقات کتنا خوبصورت حادثہ ہے کہ تم کئی بار میرے سامنے آئیں اس کے بعد بھی میں تمہیں تلاش ہی کرتا رہا۔"

"شاید تم نے ناشتہ زیادہ کر لیا ہوگا۔ ویسے فوٹو اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔"
"مگر وہ فرق اب مٹ چکا ہے۔ میں اس خوبصورت ملاقات کو کینوس پر یوں نقش کروں گا کہ جو بھی دیکھے گا یہ محسوس کرے گا کہ جیسے سبز سمندر کے متحرک زینے پہ بادِ جنوب اور بادِ شمال محوِ گفتگو ہیں۔"
"یہ بادِ جنوب اور بادِ شمال والی بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔"
"یہ ماڈرن آرٹ اور نئی شاعری کی زبان ہے۔ تم بادِ شمال ہو اور میں بادِ جنوب۔"
"مجھے تو یہ جغرافیائی زبان لگتی ہے۔" وہ مسکراتی ہے۔
"لگتی ہے، لیکن مصوری کی اپنی ایک الگ زبان ہے۔ تمہاری جو تحریریں میرے پاس ہیں وہ بھی مصوری ہی ہے۔ اور بھی مصوری۔ ایک بات کہوں؟ تمہارے بال اتنے لانبے ہیں کہ اب اپنے شہر واپس جانے کو جی نہیں چاہتا۔"
"تو کیا میرے بالوں میں رہنے کا ارادہ ہے؟"
وہ اثبات میں سر ہلاتا ہے۔ اچانک ایک زرد رنگ کی ننھی منی سی تتلی آتی ہے اور اس کے سرخ دوپٹہ کو چھو کر اڑ جاتی ہے۔
"تتلی کو غلط فہمی ہو گئی" وہ کہتا ہے۔ "بے چاری سوچ رہی ہوگی کہ ہری ہری گھاس پر اتنا بڑا سرخ پھول کیسے اُگ آیا۔ یاد ہے ایک بار میں نے اپنے خط میں تمہیں انجمنِ سرخ لکھا تھا۔"
"ہاں....." وہ مسکراتی ہے۔ "تب سے میرے کمرے کے تمام پردوں کا رنگ بھی سرخ ہو گیا اور اسی رنگ کے میں نے کئی جوڑے بھی بنوا لئے۔ کیا تمہیں لال رنگ بہت پسند ہے؟"
"ہاں، لیکن بنفشئی اور زرد بھی۔ ویسے ایک مصور ہونے کی وجہ سے مجھے تمام رنگ عزیز ہیں۔ کوئی رنگ فضول نہیں ہوتا اگر انھیں معنویت اور اظہار کی زبان دینے کا سلیقہ ہو۔"
"نمائش میں تمہاری تصویریں میری دوستوں نے بھی بہت پسند کی تھیں۔ تمہارے ہاتھ میں واقعی جادو ہے۔"
"صرف ہاتھ میں نہیں، بلکہ آنکھوں میں بھی ہے۔"

وہ، ہنستی ہے "مجھے تو تمہاری آنکھوں میں لان کی ہری ہری گھاس نظر آرہی ہے"
"گھاس میں ہی تو سچا جادو ہوتا ہے"
دونوں بہت دیر تک ہنستے ہیں۔

وہ محسوس کرتا ہے کہ بادِ جنوب اور بادِ شمال کے ارتکاز سے مسرتوں کی ٹہنیاں پھولوں سے بھر گئی ہیں۔ جنگل ہرے ہو گئے ہیں اور اُن میں طاؤس بولنے لگے ہیں۔ اُوپر تحریروں کا آسمان ہے جس میں الفاظ کے ستارے ایک نئی کہکشاں بُننے میں مصروف ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے مل کر اتنے خوش ہیں، اتنے خوش ہیں کہ ان کے پیرہنوں سے بھی دھنک رنگ جلوہ نما ہو گئے ہیں۔

کئی گھنٹوں بعد دونوں شام میں دوبارہ ملنے کے وعدے کے ساتھ جدا ہوتے ہیں۔

شام میں جب وہ اس سے ملنے کے لئے دوبارہ ہوسٹل پہنچتا ہے تو اسے زرد لباس میں منتظر پاتا ہے۔ اسے دیکھتے ہی وہ ہاتھ پیشانی تک لے جاکر آداب کرتی ہے۔ دونوں کچھ لمحے لان پر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ پھر وہ کہتی ہے۔

"چلو یونیورسٹی کی کینٹین میں چائے پئیں"
"ضرور پئیں گے" وہ اٹھ جاتا ہے "تمہارے ساتھ چائے پینے میں بڑا لطف آئے گا"
وہ ہوسٹل کے احاطہ سے باہر نکلتے ہیں۔ راستہ کئی جگہ بل کھاتا ہے۔ ادھر ادھر گل مہر اور یوکلپٹس کے درخت، خوبصورت کیاریاں اور صاف ستھری روشیں۔ وہ ایک مختصر سی روش کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے۔

"وہ دیکھو تمہاری رومینٹک سڑک"
وہ اس طرف دیکھتا ہے۔ پھولوں کی کیاریوں اور جنگلی سرو کے پیڑوں کے درمیان ایک نہایت ہی چھوٹی سی سڑک بوگین ویلیس کے گلابی پھولوں والی جھاڑیوں کے پاس آکر ختم ہو گئی تھی۔
"رومینٹک سڑک اتنی مختصر نہیں ہوتی"

"پھر؟"

"اتنی طویل ہوتی ہے کہ اسے طے کرنے میں جوانی بیت جاتی ہے۔"

"مگر مجھے یہ سڑک بہت ہی پسند ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے تمہاری پینٹنگ ہو۔"

"شکریہ۔"

کینٹین پہنچ کر وہ چائے کا آرڈر دیتی ہے۔ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی ہیں۔ لباس، موسم، یونیورسٹی اور مصوری وغیرہ کے بارے میں۔ پھر وہ ایک اہم بات چھیڑ دیتا ہے۔

"گذشتہ کئی سال سے ہم دونوں کے درمیان تحریروں کے یادِ مرسر کا جو زور و شور رہا ہے اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہم اب اس مقام پر آ چکے ہیں کہ ہمیں آئندہ کے بارے میں کچھ سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل پچھتانا پڑے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے کے ہو جائیں؟"

اُس کے چہرے سے مایوسی کی ایک لہر اُٹھتی ہے "میں خود بہت دنوں سے اس بارے میں سوچ رہی ہوں مگر انجام یہی سامنے آتا ہے کہ ایک دن ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہونا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ تمہارے اور میرے درمیان کوئی مذہبی دیوار اس طرح کھڑی ہے کہ اسے نہ تم گرا سکتے ہو نہ میں۔ یہ سچ ہے کہ تم بہت سی جد و جہد کر سکتے ہو لیکن میں اپنے معزز خاندان کا سر نہیں جھکا سکتی۔ میں بہت مجبور ہوں۔"

"میں بھی معزز خاندان رکھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے گھر میں میرا رشتہ قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ تو سوچو کہ آج کے دور میں سب کچھ ہو رہا ہے۔ اگر تم تھوڑی سی بغاوت کر دو تو......"

"میں بغاوت نہیں کر سکتی۔ ہاں اتنا ضرور کر سکتی ہوں کہ آئے ہوئے رشتوں کو ٹالتی رہوں۔"

"اس طرح تو پوری عمر گذر جائے گی۔"

"اگر اس طرح بھی عمر گذری تو میں یہ سمجھوں گی کہ تم سے جدا نہیں ہوں۔"

وہ چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو جھانکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ "بہت زبردست بات کہہ دی تم نے۔ میرے نزدیک یہ بغاوت سے بھی بڑا قدم ہے۔ میں تمہارے جذبہ کی قدر کرتا ہوں۔ تمہاری بات سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ تم کس حد تک مجبور ہو۔ لہٰذا آؤ ہم خود کو حالات پر چھوڑ دیں۔ ممکن ہے کوئی راستہ نکل آئے لیکن ایک بات ضرور کہوں گا۔ میں شکست کھانا نہیں جانتا۔ میری تنہائی میں پھول پہلی بار کھلا ہے۔ میں اسے مرجھانے نہیں دوں گا۔"

وہ خاموش کچھ سوچتی رہتی ہے۔ وہ بھی سوچ میں کھو جاتا ہے۔ شام ڈھلنے پر کینٹین میں لڑکے لڑکیوں کی بھیڑ بڑھ جاتی ہے تو وہ واپس ہوتے ہیں۔ ہوسٹل کے گیٹ پہ رخصت ہوتے وقت وہ کہتی ہے۔

"میری باتوں سے دل برداشتہ نہ ہونا۔ میں کوئی راستہ تلاش کروں گی۔"

رات میں وہ بہت دیر تک سوچتا رہتا ہے۔ آنکھوں میں بار بار رومینٹک سڑک ابھرتی ہے۔ خوبصورت لیکن مختصر سی، چھاؤں اور پھولوں سے آراستہ۔ ایک مقام پر وہ خود کو تنہا کھڑا ہوا دیکھتا ہے، فکرمند اور پریشان سا۔ اچانک تند و تیز ہوا چلتی ہے اور نامعلوم کہاں سے زرد پتوں کی باڑھ آ جاتی ہے۔ سڑک چھپ جاتی ہے۔ ہر طرف خشک پتوں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ وہ اس ڈھیر میں کچھ ڈھونڈنے لگتا ہے۔ دفعتاً کوئی آہستہ سے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ وہ مڑ کر دیکھتا ہے تو خوشیوں سے جگمگا اٹھتا ہے، اپنی تلاش کو دھانی لباس میں سامنے موجود پاتا ہے۔

"تم مجھے زرد پتوں میں ڈھونڈھ رہے تھے؟ میں تمہارے اندر تھی۔"

وہ چونک اٹھتا ہے، مسکراتا ہے اور بتی بجھا کر بستر پر دراز ہوتا ہے۔

دوسری صبح ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے ہلکے اودے رنگ کے لباس میں مطمئن اور پرسکون دیکھتا ہے۔ چہرے پر چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آتی ہے۔ وہ اسے دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔

"جی چاہتا ہے تمہارا نام عشق پیچاں رکھ دوں۔"

"یعنی؟ ـــــ میں مطلب نہیں سمجھی"

"تمہارے نازک اور لچکدار بدن پر یہ ہلکا اُودا لباس ایسا لگ رہا ہے جیسے سر سے پاؤں تک عشقِ پیچاں کے پھول کھلے ہوئے ہیں"

وہ شرماسی جاتی ہے۔ پھر کہتی ہے "چلو لائبریری چلیں۔ مجھے کچھ کتابوں کی ضرورت ہے"

وہ لائبریری پہنچتے ہیں۔ الماریوں میں کتابیں تلاش کرتے ہیں اور کچھ دیر بعد جب وہاں سے واپس ہوتے ہیں تو وہ راستے میں ایک جگہ رک کر کہتی ہے۔

"آرٹ گیلری چلو گے؟ وہاں لڑکیوں کی بنائی ہوئی تصویروں کی نمائش ہے"

"ضرور چلوں گا۔ دیکھوں گا کہ تصویریں کس طرح کی تصویریں بناتی ہیں"

ان کے قدم آرٹ گیلری کی طرف اٹھتے ہیں۔

"تم چلتی ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے ہُوایا شاعری چل رہی ہو"

"اور تم چلتے ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے ن۔ م۔ راشد کی ساٹیکل بہہ رہی ہو"

"نہیں صاحب" وہ ہنستا ہے۔ "میں مائیکل انجیلو کی چھڑی پر پکاسو کی ٹوپی ہوں"

آرٹ گیلری سنسان نظر آتی ہے۔ وہ تصویروں کو ٹھہر ٹھہر کر دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ کلاسیکی آرٹ ...... لینڈ اسکیپ ...... پورٹریٹ ..... ماڈرن اور تجریدی آرٹ۔ ایک طرف اسٹیل لائف کے کچھ نمونے۔

وہ ایک تصویر میں دیہات کی کچھ گھاس پھوس کی جھونپڑیاں دیکھ کر رک جاتی ہے۔

"مجھے ایسے گھر بہت اچھے لگتے ہیں۔ سادہ، صاف ستھرے، پرسکون اور شان و شوکت سے بے نیاز"

وہ مسکرا کر ایک جھونپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے "کتنا اچھا ہوتا کہ ہم دونوں اس جھونپڑی میں رہتے۔ بارش ہوتی تو بھیگ جاتے۔ سردی پڑتی تو ٹھٹھر جاتے اور گرمی آتی تو پسینہ میں ڈوب جاتے۔ مزہ آتا"

وہ مسکرا کر آگے بڑھتی ہے۔ سامنے اسٹینڈ پر کچھ تجریدی آرٹ کے نمونوں کو دیکھ کر کہتی ہے "یہ آرٹ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا تم بتلا سکتے ہو کہ اس تصویر میں کیا ظاہر کیا گیا ہے؟"

وہ اس تصویر کو غور سے دیکھتا ہے۔ نیلے، بنفشئی اور گہرے اودے رنگوں کے ذریعہ کچھ پرچھائیوں، بادلوں اور دائروں کو اجاگر کیا گیا تھا اور لگتا تھا کہ چاروں طرف ہلکا ہلکا دھواں ہو۔ وہ کہتا ہے۔

"یہ خوابوں کی دنیا کا منظر ہے۔"

وہ قریب جاکر دیکھتی ہے۔ تصویر کے نیچے باریک سا عنوان لکھا رہتا ہے "ڈریم لینڈ"

پھر وہ ایک دوسری تصویر کی طرف اشارہ کرتی ہے "اچھا اس تصویر کے بارے میں بتلاؤ۔"

"تم شاید میرا امتحان لے رہی ہو" وہ تصویر کی طرف دیکھتا ہے۔ بے شمار سرخ اور سیاہ دھبوں کے درمیان خون کی بہتی ہوئی ندی، جس نے دھبوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

وہ ہنس کر کہتا ہے "اگر بتلا دوں گا تو پھر دکھلانی پڑے گی۔"

"منظور ہے۔"

"تو سنو۔ اس تصویر میں جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔"

وہ عنوان دیکھتی ہے۔ لکھا رہتا ہے "ریڈ اسٹریٹ۔"

"تم جیت گئے۔"

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں شکست نہیں کھاتا۔"

دونوں آرٹ گیلری سے باہر نکلتے ہیں تو ایک سرخ و سفید لڑکی سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔

"یہ میری دوست ہے" وہ تعارف کراتی ہے "اور یہ وہی مصور ہیں جن کی تصویریں چند سال قبل ہونے والی نمائش میں ہم سب نے بہت پسند کی تھیں۔"

"اچھا تو وہ مصور آپ ہی ہیں؟ غضب کا آرٹ ہے آپ کا۔ واقعی بہت بڑے فنکار ہیں آپ۔ لیکن آپ دونوں کی ملاقات کیسے ہو گئی؟" اس کی دوست نہایت تیزی سے کہتی ہے۔

وہ مسکرا کر نہایت پرسکون لہجہ میں کہتا ہے "فنکار بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا۔ وہ صرف فنکار ہوتا ہے۔ اس پر کوئی حد نہیں باندھی جا سکتی۔"

"ٹھیک کہا آپ نے، لیکن میں نے جو کہا ہے وہ بھی ٹھیک ہی ہے۔ چلیے کینٹین چلتے ہیں۔"

وہ کینٹین کی طرف مڑجاتے ہیں۔ چند ہی لمحوں میں اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ نہایت باتونی لڑکی ہے۔ کینٹین میں تنہا وہی بولتی رہتی ہے۔

"آپ کب تک یہاں ہیں؟ پلیز! میرے گھر آیئے نا۔ میرے بھیا آپ جیسی شخصیت سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ اگر ہو سکے تو میرا ایک پورٹریٹ بنایئے۔ آپ یہاں کہاں ٹھہرے ہیں۔ ترکاریوں میں آپ کو کون سی چیز زیادہ پسند ہے۔ مگر آپ نے بتلایا نہیں کہ آپ دونوں کی ملاقات کیسے ہوگئی؟" وغیرہ وغیرہ۔

کچھ دیر بعد وہ کینٹین سے اٹھتے ہیں تو وہ پھر اصرار کرتی ہے: "آج شام میرے یہاں ضرور آیئے۔ آپ کو لانے کی ذمہ داری میں اپنی دوست پر ڈال رہی ہوں۔" وہ اس کی طرف مڑتی ہے۔ "لاؤ گی نا انھیں؟ میں دونوں کی منتظر رہوں گی۔ اچھا! اب میں گھر چلوں۔ خدا حافظ۔" وہ چلی جاتی ہے۔

"تمہاری دوست بیک وقت پھلجڑی بھی ہے اور پھلواری بھی۔" وہ ہنستا ہے۔

شام میں دونوں اس کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہ نہایت پر تکلف دعوت کا انتظام کرتی ہے۔ اس کے گھر کے افراد بھی خاطر داری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کھانے کے بعد لطیفہ گوئی کی محفل جمتی ہے اور جب دونوں رخصت ہونے لگتے ہیں تو وہ کہتی ہے: "اپنے شہر واپس ہوتے وقت مجھ سے ضرور ملئے گا۔ ہاں آپ مجھے اپنا ایڈریس بھی دیجئے گا۔ میں نے نمائش کمیٹی سے آپ کا ایڈریس لیا تھا مگر وہ پرچہ راستے میں ہی کہیں کھو گئی۔ میں اپنی دوست کی احسان مند ہوں کہ اس کے ذریعہ آپ جیسی شخصیت سے ملاقات ہوگئی۔"

واپس ہوتے وقت وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اداس، خاموش اور گم سم ہے۔ "تم اتنی خاموش کیوں ہو؟ کیا کوئی بات ہوگئی؟"

"کیا تم نے محسوس نہیں کیا؟" وہ پلٹ کر اس سے سوال کر دیتی ہے۔ "میں دیکھ رہی تھی کہ اس کی نگاہیں پورے وقت تم پر جمی رہیں۔ اس نے تم سے ایڈریس بھی طلب کیا۔ ظاہر ہے کہ......"

"میرا خیال ہے تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔ مجھے تو وہ بے انتہا مخلص، صاف اور اچھے

مزاج کی لڑکی نظر آئی۔"

"کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس نے کتنا زبردست میک اَپ کیا تھا۔ ایسے میک اَپ میں وہ مجھے کبھی نظر نہیں آئی اور کیا تم اس کی باتوں میں دلچسپی نہیں لے رہے تھے؟"

وہ ہنستا ہے "تم خوامخواہ بدگمان ہو رہی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سرخ و سفید ہے لیکن جو کشش تم میں ہے وہ اور کسی میں نہیں۔ میں یہاں صرف تم سے ملنے آیا ہوں۔"

مگر اس کی بدگمانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ کافی دیر تک اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ مجبوراً وہ صرف اتنا کہتا ہے "کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں؟"

"اعتماد تھا!"

وہ چونک اٹھتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یک بیک زمین پھٹ گئی ہو۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔ پلیز اتنی جذباتی نہ بنو۔ لگتا ہے ذرا سے وقت میں تم نے بہت زیادہ سوچ ڈالا۔ ذرا کچھ تو خیال کرو۔ میں تمہارے لئے بہت دور سے آیا ہوں۔"

"اب خیال کرنے کو رہا ہی کیا ہے۔ میں نے جو ذلت محسوس کی ہے اسے بیان نہیں کر سکتی۔ میرے کئی سال ضائع ہو گئے۔ تم فنکار لوگ دوسروں کے جذبات سے کھیلتے ہو۔"

"تم سراسر غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ ہوش میں آؤ۔"

"میں اب ہوش میں آ چکی ہوں۔" وہ اور جذباتی ہو جاتی ہے "اور اب میں یہاں سے تنہا ہوسٹل جاؤں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔"

وہ بھی غصہ میں آ جاتا ہے "تو ٹھیک ہے۔ میں آج ہی واپس چلا جاتا ہوں۔"

"چلے جاؤ! تمہاری مرضی!" اتنا کہہ کر وہ ہوسٹل کی طرف مڑ جاتی ہے۔

وہ کچھ دیر وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہتا ہے پھر اس کی نگاہیں رومینٹک سڑک کی طرف اٹھتی ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ پوری سڑک پر زرد پتوں کا سیلاب متحرک ہے اور چنگاریوں کا ایک بگولہ نہایت تیزی سے گردش کرتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

رات میں طرح طرح کے خیالات اور مناظر اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ نیند اڑ جاتی ہے اور وہ مسلسل سوچتا رہتا ہے ـــــ "یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی کمزور نکلے گی۔ کیا عشق اسی کو کہتے ہیں کہ ایک لڑکی درمیان میں آگئی تو زمین و آسمان سب تبدیل۔ یہ صحیح ہے کہ بے پناہ چاہت کے سبب اسے غلط فہمی ہوئی ہے لیکن ذرا غور تو کرنا چاہئے تھا۔ عشق اتنا اندھا تو نہیں ہوتا۔ اس کے پورے وجود پر آنکھیں ہی آنکھیں ہوتی ہیں جن میں صرف اور صرف ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ میں کہاں سے اس چکر میں پھنس گیا۔ یہاں کتنی امیدیں لے کر آیا تھا اور اب شاید ٹوٹا ہوا دل لے کر واپس جاؤں گا۔ زندگی کا یہ تجربہ بھی یاد رہے گا۔ لیکن..... جو کچھ اس نے سوچا، محسوس کیا وہ سب فطری ہے۔ عورت تو سمندر سے بھی زیادہ گہری ندی ہے۔ شاید وہ اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ نہیں چاہتی کہ میں کسی اور لڑکی کی طرف دیکھوں یا کوئی لڑکی میری طرف دیکھے۔ تو کیا میں زمین میں دھنس جاؤں؟ یہ عشق ہے یا پاگلوں کا کارخانہ؟"

صبح آنکھ کھلتی ہے تو وہ اس مسئلہ پر ایک بار پھر غور کرتا ہے۔ دیر تک غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسے واپس ہو جانا چاہئے۔ لیکن جاتے وقت ایک بار ضرور ملنا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ ہوسٹل پہنچ جاتا ہے۔ چوکیدار کو پرچی دیتا ہے تو تھوڑی ہی دیر بعد وہ عجیب کیفیت میں نہایت تیزی سے آتی ہے۔ زلفیں پریشان، آنکھیں جاگی ہوئیں، رنگ پھیکا.....

دونوں لان کی طرف بڑھتے ہیں۔

"میں سمجھی شاید تم چلے گئے؟"

"میں آج واپس جا رہا ہوں؟"

"مجھے معاف کر دو، پلیز۔ اپنے جذباتی پن پر میں بہت شرمندہ ہوں۔ سچ کہتی ہوں میں رات بھر سو نہیں سکی۔ روتی رہی۔ دیکھو، میری طرف دیکھو؟"

اس تغیر پر وہ حیرت زدہ اس کی طرف دیکھتا ہے۔ آنکھیں لبریز ـــــ اور گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں۔

"پلیز، واپس مت جاؤ۔ میں بہت پاگل ہوں میں۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے۔ بولو معاف کیا؟"

"معاف کیا" وہ مسکراتا ہے۔ تم صرف بادِ شمال ہی نہیں بلکہ بادِ جلال و جمال بھی ہو۔"
وہ خوش ہو جاتی ہے۔ "تم یہیں رکو۔ میں ابھی آئی" یہ کہہ کر وہ خوشی میں نازک بیل کی طرح لچکتی لہراتی ہوسٹل کی طرف جاتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد جب تیار ہو کر واپس آتی ہے وہ اسے دیکھتا رہ جاتا ہے۔ وہی لباس، وہی سرخ دوپٹہ اور اس میں کھلتا ہوا چمپئی چہرہ۔

"چلو کینٹین چلیں"

کینٹین کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دونوں ہنسنے لگتے ہیں۔

"مجھے اب پتہ چلا کہ عشق میں تکرار بھی ہوتی ہے"

ویٹر چائے کی ٹرے لاتا ہے۔

وہ چائے بنانے لگتی ہے تو وہ اسے روک دیتا ہے "آج چائے میں بناؤں گا" یہ کہہ کر اس کے ہاتھ سے چمچہ اچکتا ہے تو انگلیاں ٹکرا جاتی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے جسم میں کوئی میٹھی سی لہر دوڑ گئی ہو۔ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہے۔ وہاں کئی رنگ دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

"ابھی ابھی کوئی جگنو چمکا تھا کیا تم نے بھی محسوس کیا"

وہ مسکراتی ہے۔ "کینٹین میں مصوری مت کرو"

کافی وقت وہیں گذر جاتا ہے۔ اچانک وہ گھڑی دیکھ کر اٹھ جاتی ہے۔ "آرٹ گیلری میں تم جیت گئے تھے نا تو چلو میں اپنا وعدہ پورا کرتی ہوں۔ ٹو ٹیلو ٹو تھری کا شو مل جائے گا"

تھوڑی دیر بعد وہ سینما ہال میں موجود ہوتے ہیں۔ گیلری تقریباً خالی پڑی ہوتی ہے۔ ادھر اُدھر چند جوڑے اور اکّے دکّے تماشائی بیٹھے نظر آتے ہیں۔ پکچر شروع ہو جاتی ہے۔

"یہ پہلا اتفاق ہے کہ ہم دونوں اتنے قریب ہیں" وہ سرگوشی کرتا ہے۔ "وہ جگنو جو کینٹین میں چمکا تھا یہاں بھی چمکنا چاہتا ہے"

جواب میں وہ خاموشی سے اپنا سر اس کے کاندھے سے لگا دیتی ہے۔ وہ اس کا ہاتھ

تھام کر اس کی ہتھیلی پر ایک بوسہ ثبت کرتا ہے۔ وہ خاموش رہتی ہے۔ چند لمحوں بعد وہ پھر کہتا ہے۔

"میرے ہاتھ تمہارے مرمریں جسم پر مصوّری کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہر جگہ مصوّری مناسب نہیں۔"

لیکن مصوّری ریشمیں خطوط اور دائروں میں الجھ جاتی ہے۔ اور وہ محسوس کرتا ہے جیسے اس کے پورے جسم میں جگنو چمک رہے ہیں۔ ہوا گنگنا رہی ہے۔ خوشبو ناچ رہی ہے اور وہ ایک ایسے سمندر کے ساحل پر پہنچ چکا ہے جس میں سات رنگ کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔

"کیا تم بھی یہی سب محسوس کر رہی ہو؟" وہ جیسے خواب میں گنگناتا ہے۔

"ایں؟ ـــــ" وہ چونک اٹھتی ہے۔ "مجھے کیا پتہ تم کیا محسوس کر رہے ہو۔"

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ پورا سینما ہال اس سمندر کی آغوش میں ہے۔ یعنی کہ ڈریم لینڈ۔" وہ مسکراتی ہے۔

پکچر ختم ہوتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس کے چہرے پر سرخیاں ہیں۔

واپسی پر وہ اس سے کہتا ہے: "تمہارے چہرے سے چنار کے پھول جھانک رہے ہیں۔"

"اور تمہاری آنکھوں سے مہتاب۔"

"یعنی کہ اب تم بھی مصوّری کرنے لگی ہو۔"

"مصوّری کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے۔" وہ ہنستی ہے۔ "لیکن مصوّری کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد کو توڑ کر وہ خود مسخ ہو جاتی ہے۔"

وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ شاید اس نے سینما ہال میں ہونے والی مصوّری پر بہت خوبصورت اعتراض کیا تھا۔

رات میں وہ اپنے ذہن میں عجیب سا انتشار محسوس کرتا ہے۔ بدن میں کوئی چیز بہت زور سے پھڑپھڑاتی ہے۔ جیسے سمندر میں طوفان ہو اور کوئی سفید بادبان تیز ہوا سے لڑ رہا ہو۔ کوئی سرخ دوپٹہ شانوں سے سرک رہا ہو اور کوئی مرمریں پیکر لباس سے آہستہ آہستہ جدا ہو رہا ہو۔

وہ گھبرا جاتا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ منظر کیوں نمودار ہوا۔ پھولوں کے تختہ پر یہ شعلہ کہاں سے آگیا۔ یہ کیسا سمندر ہے۔ یہ بادبان کیوں پھڑپھڑا رہا ہے۔ میری سمت تبدیل کیوں ہوگئی ہے؟

صبح وہ اس سے ملتا ہے تو اسے سر سے پاؤں تک بہت بھرپور نگاہوں سے دیکھتا ہے۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں" وہ فیصلہ کن انداز میں کہتا ہے۔

"دیکھ تو رہے ہو"

"ایسے نہیں ......"

"لگتا ہے تم رات بھر سوئے نہیں ہو" وہ جھینپ سی جاتی ہے۔

"ہاں، اور تمہارے چہرے سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ تمہیں بھی نیند نہیں آئی"

"میں بھی انسان ہوں"

"تو کیوں نہ ہم فوراً شادی کرلیں"

"اس بارے میں پہلے بھی میں سب کچھ کہہ چکی ہوں"

"لیکن میرے اندر ایک سمندر گونجنے لگا ہے جسے تمہارے قرب نے جگایا ہے۔ میں اس کے طوفان کو روک نہیں سکتا۔ اگر تمہیں مجھ سے واقعی عشق ہے تو اس طرف توجہ دو"

"مجھے لگ رہا ہے کہ تم خود عشق کے مرکز سے ہٹ چکے ہو اور اب تمہاری مصوری ڈریم لینڈ کی بجائے ریڈ اسٹریٹ کی طرف جا رہی ہے"

"ریڈ اسٹریٹ کی طرف نہیں بلکہ گرین پیراڈائز کی طرف، اور میں عشق کے مرکز سے ہٹا نہیں ہوں بلکہ اُس مقام پر پہنچ چکا ہوں جسے تسخیر کہتے ہیں"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

"میری باتیں تو خود میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں" وہ ہنس پڑتا ہے "مجھے واقعی کچھ ہو گیا ہے لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے سچائی کے ساتھ کہا ہے"

"میں تمہاری سچائی کی قدر کرتی ہوں لیکن میرے اندر بھی ایک طوفان ہے۔ اس کی طرف

بھی دیکھو" وہ بہت سنجیدہ ہو جاتی ہے۔

"کون سا طوفان؟"

"تمہارے اندر ہمیشہ کیلئے سما جانے کا" وہ نہایت حسرت بھرے لہجہ میں کہتی ہے "تم سے ایک پل کے لئے بھی جدا نہ ہونے کا۔ تمہارے گھر کو ڈریم لینڈ کی طرح خوبصورت کرنے کا اور تمہارے بچوں کو روزانہ تیار کر کے اسکول بس میں......"

جملہ ادھورا رہ جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔

"پلیز، آنسو مت بہاؤ" وہ بے چین ہو جاتا ہے۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں کوئی راستہ سوچوں گی۔ کیا تم کچھ دن انتظار نہیں کر سکتے؟"

"کر سکتا ہوں"

"تو مجھ پر اعتماد کروں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ خود کو مجبوری کے حصار سے باہر لانے کی کوشش کروں گی کہ تم اس سمندر کو شکست دو"

"ٹھیک ہے لیکن کیا تمہارا وعدہ پختہ ہے؟"

"ہاں" وہ یک بیک ہنس پڑتی ہے "یوں سمجھو کہ بادِ شمال کا وعدہ مرد کا وعدہ ہے"

"مجھے لگ رہا ہے کہ بادبان چاک ہونے سے بچ گیا ہے"

"بادبان؟ کون سا بادبان" وہ حیرت سے دیکھتی ہے۔

"ہے کوئی بادبان، ہوا اور سمندر کے بیچ میں، جسے کچھ لوگ عشق بھی کہتے ہیں"

دونوں ہوسٹل کے احاطہ سے باہر آتے ہیں۔

ان کی نگاہیں رومینٹک سڑک کی طرف اٹھتی ہیں۔ وہ کہتا ہے "میں غلط فہمی میں تھا۔ وہ مختصر سی سڑک بھی بہت طویل ہے۔ آؤ آج ہم اس پر چلیں"

وہ پھولوں کی کیاریوں کو پار کرتے ہوئے اس سڑک پر پاؤں رکھتے ہیں۔

پہلے ہی قدم پر ہوا کی ایک تیز لہر آتی ہے اور بوگین ویلیس کے پھولوں کو سڑک پر گلابی کہکشاں کی طرح بکھیر دیتی ہے۔

تصانیف

اجنبی لگتا ہیں	(افسانے)
شاعری کی دوکان	(طنز و مزاح)
راستے بھی چلتے ہیں	(افسانے)
پت جھڑ کی خوشبو (گنجِ رواں)	(شاعری)
حکم نامہ	(شاعری)
میرا کھویا ہوا ہاتھ	(افسانے)
بدن گشت بادبان	(افسانے)

آئندہ

شام کی ٹہنی کا پھول	(افسانے)
جدید افسانہ کے زرہ پوش مُغنّی	(تنقید)
سِکۂ خاک	(مضامین)
منظر دریدہ سپہر	(شاعری)
مُرقعِ سلطان	(مصوری)